نقشِ باقی

مؤلفہ
ڈاکٹر یوگ دھیان آہوجہ
ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی

نقشِ باقی

مؤلفہ

ڈاکٹر یوگ دھیان آہوجہ

ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

مؤلف وناشر۔ ڈاکٹر یوگ دھیان آہوجہ. دوآبہ کالج جالندھر

پہلی بار ۱۹۵۴ عیسوی

پنجاب نیشنل پریس جالندھر میں چھپی

فہرست

پیغام ۷

نقش باقی ۹

غزلیات ۱۱

درد

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بت خانہ تھا ۱۱

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا ۱۲

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم ۱۳

تہمتِ چند اپنے ذمے دھر چلے ۱۳

میر

جو اس شور سے میر روتا رہے گا ۱۵

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا ۱۶

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا ۱۷

ہستی اپنی حباب کی سی ہے ۱۷

کوفت سے جان لب پہ آئی ہے ۱۸

انشاء

مجھے کیوں نہ آئے ساقی نظر آفتاب الٹا ۲۰

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں ۲۱

جھڑکی سہی ادا سہی چینِ جبیں سہی ۲۲

آتش

دھیان اس کاکلِ مشکیں کا جو آیا مجھ کو ۲۲

خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزو تیری ۲۳

دہن پر ہیں ان کے گماں کیسے کیسے ۲۵

مگر اس کو فریبِ نرگسِ مستانہ آتا ہے ۲۶

مومن

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا ۲۷

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں ۲۸

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو ۲۹

الٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ ۳۰

ذوق

کسی بیکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا ۳۱

مزا تھا ہم کو جو بلبل سے دو بدو کرتے ۳۲

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے ۳۳

ظفر

یا مجھے افسرِ شاہانہ بنایا ہوتا ۳۴

ہائے کہئے کسے یہاں اپنا ۳۵

نہیں عشق میں اس کا تو رنج ہمیں کہ قرار و شکیب ذرا نہ رہا ۳۶

غالب

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا ۳۷

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے ۳۸

نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے ۳۹

حسنِ مہ گرچہ بہنگامِ کمال اچھا ہے ۴۰

امیر مینائی

غنی ساتھ دنیا سے کیا لے گیا ۴۲

عمر برق و شرار ہے دنیا ۴۳

داغ

عجب اپنا حال ہوتا جو وصالِ یار ہوتا ۴۴

ساز یہ کینہ ساز کیا جانیں ۴۵

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے ۴۶

حالی

دردِ دل کو دوا سے کیا مطلب ۴۸

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں ۴۹

بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ ۵۱

اکبر الہ آبادی

امتیازِ حسرت و رنج و الم جاتا رہا ۵۲

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں ۵۳

اچھی نہیں شے کوئی محبت سے زیادہ ۵۴

مری روح تن سے جدا ہو گئی ۵۴

چکبست

دردِ دل پاسِ وفا جذبۂ ایماں ہونا ۵۶

مٹی ہیں اور گل جو کسی بوستاں کے ہیں ۵۷

مٹنے والوں کی وفا کا یہ سبق یاد رہے ۵۸

شاد عظیم آبادی

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں ۵۹

جہاں تک ہو بسر کر زندگی عالی خیالوں میں ۶۰

قدرِ ہنر تھی جن سے وہ اہلِ ہنر گئے ۶۱

مہر

پہلو میں تو جو اے دلِ خانہ خراب تھا ۶۲

درِ جاناں سے نہ لے جائے خدا اور کہیں ۶۳

اقبال

زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گا گفتگو کا ۶۴
ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ۶۶

فانی بدایونی

خوشی سے رنج کا بدلا یہاں نہیں ملتا ۶۷
خلق کہتی ہے جسے دل ترے دیوانے کا ۶۸

حسرت موہانی

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں ۷۰
نگاہِ ناز جسے آشنائے راز کرے ۷۰
تیرا کرم جور نما میرے لئے ہے ۷۱

فراق

اک عالم پہ بار ہیں ہم لوگ ۷۳

منظومات

درد - شبنم ۷۵
سرور — پدمنی ۷۶
اسمٰعیل گرمی کا موسم ۸۰
اکبر الٰہ آبادی فرزند نیک ۸۱
چکبست - راماین کا ایک سین ۸۳
برق — احتساب زندگی ۹۲
اقبال نیا شوالہ ۹۶
ناظر جوگی ۹۷
محروم نور جہاں کا مزار ۱۰۲
ترانۂ بیداری ۱۰۵

مثنوی

میر حسن ۔ مثنوی سحر البیان ۱۰۸

قصائد

محسن کاکوروی ۔ یا دل کا بیان ۱۲۳
غالب ۔ آم کی تعریف ۱۲۶

مراثی

انیس مناجات ۱۲۹
غالب مرثیۂ عارف ۱۳۱

قطعات

میر ۱۳۳
غالب ۱۳۴
اکبر الٰہ آبادی ۱۳۵
مہر ۱۳۶
فراق ۱۳۶

رُباعیات

درد ۱۳۷
انیس ۱۳۹
حالی ۱۴۰
اکبر الٰہ آبادی ۱۴۱
مہر ۱۴۲
محروم ۱۴۳
فراق گورکھپوری ۱۴۴

تعارف شعراء

درد ۱۴۶
میر حسن ۱۴۶
میر ۱۴۷
انشاء ۱۴۸
آتش ۱۴۹
مومن ۱۵۰
ذوق ۱۵۰
ظفر ۱۵۱
غالب ۱۵۲
انیس ۱۵۲
امیر مینائی ۱۵۳
داغ دہلوی ۱۵۴
سرور ۱۵۵
حالی ۱۵۶
اکبر الٰہ آبادی ۱۵۶
چکبست ۱۵۶
شاد عظیم آبادی ۱۵۸
مہر ۱۵۹
برق ۱۵۹
اقبال ۱۶۰
فانی بدایونی ۱۶۱
حسرت موہانی ۱۶۲
محروم ۱۶۲
فراق ۱۶۳

فرہنگ

فرہنگ ۱۶۵

پیغام

ہر حقیقی شاعر دنیا کے لئے کوئی پیغام لے کر آتا ہے۔ اور اسے وہ اپنے الفاظ اور اپنے انداز میں سُننے اور پڑھنے والوں تک پہنچاتا ہے۔ شاعری کو جزوِ پیغمبری مانا گیا ہے۔

کتنے ہی اُردو شعرا نے اپنے کلام میں ایسے پاکیزہ لطیف اور گرانقدر جذبات کا اظہار کیا ہے جو ادب کا حقیقی سرمایہ ہیں۔ انہوں نے اُردو ادب کے دامن کو ایسے نقش و نگار سے مزیّن کیا ہے جن کی رنگینی جب تک اُردو زبان کے آثار باقی ہیں، برقرار رہیگی۔ مختلف اُستادوں نے غزل، نظم، مثنوی، قصیدہ، رباعی، قطعہ و دیگر انواعِ سخن میں اپنے خیالات ادا کئے ہیں۔

اس مختصر سے مجموعہ میں اُردو کے کچھ چیدہ اور برگزیدہ شعرائے کرام کے اشعار کا انتخاب ہے۔ تشکرِ خالق اور صاحبانِ کلام کے سپاس کے ساتھ یہ مجموعہ پڑھنے والوں کی خدمت میں پیش ہے۔

مؤلّف

نقشِ باقی

غزلیات

دردؔ

(۱)

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بُت خانہ تھا
ہم سبھی مہمان تھے اِک تُو ہی صاحب خانہ تھا

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہُوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

حیف کہتے ہیں ہوا گلزار تاراجِ خزاں
آشنا اپنا بھی واں اِک سبزۂ بیگانہ تھا

ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہُوم آہ
وُہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا

بھول جا خوش رہ عبث وے سابقے مدت یاد کر
دردؔ یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

(۲)

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

مرا غنچۂ دل ہے وہ دِل گرفتہ
کہ جس کو کسی نے کبھو وا نہ دیکھا

یگانہ ہے تو آہ بیگانگی میں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا

اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

کیا مجھ کو داغوں نے سروِ چراغاں
کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا

تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے
ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا، نہ دیکھا

حجاب رخِ یار تھے آپ ہی ہم
کھلی آنکھ جب کوئی پردا نہ دیکھا

شب و روز اے درد در پے ہوں اس کے
کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

(۳)

کچھ لا سے نہ بھنے کہ کھو گئے ہم
تھے آپ ہی ایک سو گئے ہم
جوں آئینہ جل پہ یاں نظر کی
ساتھ اپنے دوچار ہو گئے ہم
ماتم کدۂ جہاں میں جوں ابر
اپنے تئیں آپ رو گئے ہم
ہستی نے تو ٹک جگا دیا تھا
پھر کھلتے ہی آنکھ سو گئے ہم
یاروں ہی سے درد ہے یہ چرچا
پھر کوئی نہیں ہے جو گئے ہم

(۴)

تہمت چند اپنے ذمّے دھر چلے
جس لئے آئے تھے سو ہم کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اِس جینے کے ہاتھوں مر چلے

کیا ہمیں کام اِن گُلوں سے اے صبا
ایک دم آئے اِدھر اودھر چلے

دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس
تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے

آہ! بس جی مت جلا تب جانیئے
جب کوئی افسوں ترا اوس پر چلے

ایک میں دل ریش ہوں ویسا ہی دوست
زخم کتنوں کے سُنا ہے بھر چلے

شمع کی مانند ہم اس بزم میں
چشم تر آئے تھے دامن تر چلے

ڈھونڈتے ہیں آپ سے اوس کو پرے
شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے

ہم جہاں میں آئے تھے تنہا ولے
ساتھ اپنے اَب اوسے لے کر چلے

جُوں شررِ اے ہستیٔ بے بُود یاں
بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

دردؔ کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

میرؔ

(۱)

جو اس شور سے میرؔ روتا رہے گا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں
جسے ابر ہر سال روتا رہے گا

مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک مرے مُنہ کو دھوتا رہے گا

مرے دل نے وہ نالہ پیدا کیا ہے
جرس کا بھی جو ہوش کھوتا رہے گا

بس اے میر مژگاں سے پونچھ آنسوؤں کو
تو کب تک یہ موتی پروتا رہے گا

(۲)

اولٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لی آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

کاش اب منہ سے برقعہ اوٹھا دے ورنہ پھر کیا حاصل ہے
آنکھ مُندے پر اون نے گو دیدار کو اپنے عام کیا

یاں کے سپید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا

میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

(۳)

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

قافلے میں صبح کے اِک شور ہے
یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا

سبز ہوتی ہی نہیں یہ سرزمیں
تخمِ خواہش دل میں تو بوتا ہے کیا

یہ نشانِ عشق ہیں جاتے نہیں
داغ چھاتی کے عبث دھوتا ہے کیا

غیرتِ یوسف ہے یہ وقتِ عزیز
میرؔ اس کو رائیگاں کھوتا ہے کیا

(۴)

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

نازکی اس کے لب کی کیا کہئے
پنکھڑی اِک گلاب کی سی ہے

چشم دل کھول اُس ہی عالم پر
یاں کی اوقات خواب کی سی ہے

بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے

ہیں جو بولا کہا کہ یہ آواز
اُسی خانہ خراب کی سی ہے

میرؔ ان نیم باز آنکھوں ہیں
ساری مستی شراب کی سی ہے

(۵)

کوفت سے جان لب پہ آئی ہے
ہم نے کیا چوٹ دل پہ کھائی ہے

لکھتے رُقعہ لکھے گئے دفتر
شوق نے بات کیا بڑھائی ہے

آرزو اُس بلند بالا کی
کیا بلا میرے سر پہ لائی ہے

دیدنی ہے شکستگی دل کی
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

ہے تصنّع کہ لعل ہیں وہ لب
یعنی اِک بات سی بنائی ہے

دل سے نزدیک اور اتنا دُور
کسّے اِس کو کچھ آشنائی ہے

بے ستوں کیا ہے کوہ کن کیسا
عشق کی زور آزمائی ہے

جس مرض میں کہ جان جاتی ہے
دلبروں ہی کی وہ جدائی ہے

یاں ہوئے خاک سے برابر ہم
واں وُہی نازِ خود نمائی ہے

مرگِ مجنوں سے عقل گم ہے میؔر
کیا دِوانے نے موت پائی ہے

اِنشاء

(۱)

مجھے کیوں نہ آئے ساقی نظر آفتاب اُلٹا
کہ پڑا ہے آج خم میں قدحِ شراب اُلٹا
غضب اُلٹے ملک کے ہیں اجی آپ بھی کہ تم سے
کبھی بات کی جو سیدھی تو ملا جواب اُلٹا
چلے تھے حرم کو رہ میں ہوئے اک صنم پہ عاشق
نہ ہوا ثواب حاصل یہ ملا عذاب اُلٹا
یہ شب گذشتہ دیکھا وہ خفا سے کچھ ہیں گویا
کہیں حق کرے کہ ہووے یہ ہمارا خواب اُلٹا
یہ عجیب ماجرا ہے کہ بروزِ عیدِ قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا

---

(۲)

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر
غرض کچھ اور دھن میں اس گھڑی میخوار بیٹھے ہیں

بسانِ نقشِ پائے رہرواں کوئے تمنا میں
نہیں اٹھنے کی طاقت کیا کریں لاچار بیٹھے ہیں

یہ اپنی چال ہے افتادگی سے اب کہ پہروں تک
نظر آیا جہاں پر سایۂ دیوار بیٹھے ہیں

کہاں صبر و تحمل۔ آہ! ننگ و نام کیا شے ہے
میاں رو پیٹ کر ان سب کو ہم یکبار بیٹھے ہیں

نجیبوں کا عجب کچھ حال ہے اس دور میں یارو
جہاں پوچھو یہی کہتے ہیں ہم بیکار بیٹھے ہیں

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

(۳)

جھڑکی سہی ادا سہی چینِ جبیں سہی
یہ سب سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی
گر نازنیں کہے سے بُرا مانتے ہیں آپ
میری طرف تو دیکھئے میں نازنیں سہی
منظور دوستی جو تمہیں ہے ہر ایک سے
اچھا تو کیا مضائقہ انشاؔ سے کیں سہی

آتش

(۱)

دھیان اس سکا کل مشکیں کا جو آیا مجھ کو
خواب میں آکے سیاہی نے دبایا مجھ کو
نہ سُنا تھا سو وہ کانوں نے سُنایا مجھ کو
جو نہ دیکھا تھا اِن آنکھوں نے دکھایا مجھ کو

واشدِ دل کے لئے باغ میں آ نکلا تھا
یارِ بن غنچوں نے ہنس ہنس کے رُلایا مجھ کو
طُور پر حضرتِ مُوسیٰ نے تجلّی دیکھی
بام پر یار نے دیدار دکھایا مجھ کو
اُس پریرو کے جو گیسو کا ہُوا سودائی
میں نے جانا کہ یہ دل پیچ میں لایا مجھ کو
فکرِ اشعار میں کاٹی شبِ تاریکِ فراق
رات بھر صبح کے مضموں نے جگایا مجھ کو
حشر کے روز میں اتنا تو کہوں گا آتشؔ
ان پریرویوں نے دیوانہ بنایا مجھ کو

(۲)

خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزُو تیری
خوشا دماغ جسے تازہ رکھے بُو تیری
یقیں ہے اٹکے گی جاں اپنی آ کے گردن میں
سُنا ہے جا ہے قریبِ رگِ گلو تیری
وُہ گُل ہُوں میں کہ ترا رنگ جس سے ظاہر ہے
وُہ غنچہ ہُوں کہ بغل میں ہے جس کی بُو تیری

پھرے ہیں مشرق و مغرب سے تا جنوب و شمال
تلاش کی ہے صنم ہم نے چار سُو تیری
شب فراق میں اِک دم نہیں قرار آیا
خدا گواہ ہے، شاہد ہے آرزُو تیری
دماغ اپنا بھی اے گلبدن معطّر ہے
صبا ہی کے نہیں حصّہ میں آئی بُو تیری
پڑھا ہے ہم نے بھی قرآں قسم ہے قرآں کی
جواب ہی نہیں رکھتی ہے گفتگو تیری
میری طرف سے صبا کہیو میرے یُوسف سے
نکل چلی ہے بہت پیرہن سے بُو تیری
جو ابر گریہ زناں ہے تو برق خنداں زناں
کسی میں خو ہے ہماری کسی میں خُو تیری
یہ چاک جیب کے حق میں دعائے مجنوں ہے
نہ ہو وہ دن کہ درستی کرے رفُو تیری
کسی طرف سے تو نکلے گا آخر اے شہِ حُسن
فقیر دیکھتے ہیں راہ کُو بکُو تیری

زمانہ میں کوئی تجھ سا نہیں ہے سیف زباں
رہے گی معرکہ میں آتش آبرو تیری

(۳)

دہن پہ ہیں اُن کے گماں کیسے کیسے
کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے

زمینِ چمن گُل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

تمہارے شہیدوں میں داخل ہوئے ہیں
گُل و لالہ و ارغواں کیسے کیسے

بہار آئی ہے نشہ میں جھومتے ہیں
مُریدانِ پیرِ مُغاں کیسے کیسے

نہ مُڑ کر بھی بیدرد قاتل نے دیکھا
تڑپتے رہے نیم جاں کیسے کیسے

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا
مِٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

بہارِ گلستاں کی ہے آمد آمد
کہ پھرتے ہیں خوش باغباں کیسے کیسے

توجّہ نے تیری ہمارے مسیحا
توانا کئے ناتواں کیسے کیسے

دل و دیدۂ اہلِ عالم میں گھر ہے
تمہارے لئے ہیں مکاں کیسے کیسے

غم و غصّہ و رنج و اندوہ و حرماں
ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

کرے جس قدر شکرِ نعمت وُہ کم ہے
مزے لُوٹتی ہے زباں کیسے کیسے

(۴۴)

مگر اس کو فریبِ نرگسِ مستانہ آتا ہے
اُلٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے

خوشی سے اپنی رسوائی گوارا ہو نہیں سکتی
گریباں پھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے

فراقِ یار میں دل پر نہیں معلوم کیا گذرے
جو اشک آنکھوں سے آتا ہے سو بے تابانہ آتا ہے

تماشا گاہِ ہستی میں عدم کا دھیان ہے کس کو
کسے اس انجمن میں یادِ خلوت خانہ آتا ہے

زیارت ہو گی کعبہ کی یہی تعبیر ہے اس کی
کئی شب سے ہمارے خواب میں بُت خانہ آتا ہے

عتاب و لُطف جو فرماؤ ہر صورت سے راضی ہیں
شکایت سے نہیں واقف ہمیں شکرانہ آتا ہے

خدا کا گھر ہے بُت خانہ ہمارا دل نہیں آتشؔ
مقامِ آشنا ہے یاں نہیں بیگانہ آتا ہے

مومنؔ

(۱)

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا
رنج راحت فزا نہیں ہوتا

بیوفا کہنے کی شکایت ہے
تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دُنیا میں کیا نہیں ہوتا

اس نے کیا جانے کیا کیا لے کر
دل کسی کام کا نہیں ہوتا

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

حالِ دل یار کو لکھوں کیونکر
ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا

چارۂ دل سوائے صبر نہیں
سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

کیوں سنے عرضِ مضطر اے مومنؔ
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

(۲)

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں

رہتے ہیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص و عام
آباد ایک گھر ہے جہانِ خراب میں

آنکھ اوس کی پھر گئی تھی دل اپنا بھی پھر گیا
یہ اور انقلاب ہوا انقلاب میں

مطلب کی جستجو نے یہ کیا حال کر دیا
حسرت بھی اب نہیں دلِ ناکامیاب میں

ناکامیوں سے کام رہا عمر بھر ہمیں
پیری میں یاس ہے جو ہوس تھی شباب میں

دونوں کا ایک حال ہے ۔ یہ مُدعا ہو کاش
وہ ہی خط اوس نے بھیج دیا ہے جواب میں

تقدیر بھی بُری مری تقریر بھی بُری
بگڑے وہ پُرسشِ سببِ اجتناب میں

کیا جلوے یاد آئے کہ اپنی نہیں خبر
بے بادہ مست ہوں میں شبِ ماہتاب میں

پیہم سجود پائے صنم پر دمِ وداع
مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

(۳)

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وُہی، یعنی وعدہ نباہ کا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وُہ جو لُطف مجھ پہ تھے پیشتر، وہ کرم کہ تھا میرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ نئے گلے، وہ شکایتیں، وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ رُوٹھنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی، کبھی ہم میں تم میں بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
جسے آپ گنتے تھے آشنا، جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومنِ مبتلا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

(۴)

اُلٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذرِ جفا کے ساتھ
بہرِ عیادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ
دم ہی نکل گیا مرا آوازِ پا کے ساتھ
وہ لالہ رو گیا نہ ہو گلگشتِ باغ کو
کچھ رنگ، بُوئے گُل کے عوض ہے صبا کے ساتھ
اس کی گلی کہاں یہ تو کچھ باغِ خلد ہے
کس جا پہ مجھ کو چھوڑ گئی موت لا کے ساتھ
اللہ ری گم رہی بُت و بُت خانہ چھوڑ کر
مومن چلا ہے کعبہ کو اِک پارسا کے ساتھ

ذوق

(۱)

کسی بیکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا
جو آپ ہی مر رہا ہو اُس کو گر مارا تو کیا مارا

بڑے مُوذی کو مارا نفسِ امّارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا

نہ مارا آپ کو جو خاک ہو اکسیر بن جاتا
اگر پارہ کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

تفنگ و تیر تو ظاہر نہ تھا کچھ پاس قاتل کے
الٰہی پھر جو دل پر تاک کر مارا تو کیا مارا

ہنسی کے ساتھ یاں رونا ہے مثلِ قلقلِ مینا
کسی نے قہقہہ اے بے خبر مارا تو کیا مارا

جگر زخمی ہے اور دل لوٹتا ہے تم نے کیا جانے
اِدھر مارا تو کیا مارا اُدھر مارا تو کیا مارا

گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے میں
اگر لاکھوں برس سجدہ میں سر مارا تو کیا مارا

دلِ بدخواہ میں تھا مارنا یا چشم بد میں ہیں
فلک پر ذوقؔ تیرِ آہ گر مارا تو کیا مارا

(۲)

مزا تھا ہم کو جو بلبل سے دُو بدُو کرتے
کہ گل تمہاری بہاروں میں آرزو کرتے

مزے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

غرض تھی کیا ترے تیروں کو آبِ پیکاں سے
مگر زیارتِ دل کیونکہ بے وضو کرتے

اگر یہ جانتے چُن چُن کے ہم کو توڑیں گے
تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بُو کرتے

یقیں ہے صبحِ قیامت کو بھی صبوحی کش
اٹھیں گے خاک سے ساقی سبو سبو کرتے

نہ رہتی یوسفِ کنعاں کی گرمیِٔ بازار
مقابلے میں جو ہم تجھ کو رُو برُو کرتے

عجب نہ تھا کہ زمانے کے انقلاب سے ہم
تیمّم آب سے اور خاک سے وضو کرتے
سُراغ عمرِ گذشتہ کا ڈھونڈیئے گر ذوقؔ
تمام عمر گذر جائے جستجُو کرتے

(۳۱)

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے
بہتر تو ہے یہی کہ نہ دُنیا سے دل لگے
پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی چلے
کم ہونگے اس بساط پہ ہم جیسے بد قمار
جو چال ہم چلے سو نہایت بُری چلے
ہو عمرِ خِضر بھی تو کہیں گے بوقتِ مرگ
ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے
نازاں نہ ہو خرد پہ جو ہونا ہو وُہ ہی ہو
دانش تری نہ کچھ مری دانشوری چلے
دنیا نے کس کا راہِ فنا میں دیا ہے ساتھ
تُم بھی چلے چلو یُونہی جب تک چلی چلے

جاتے ہوائے شوق میں ہیں اس چمن سے ذوقؔ
اپنی بلا سے بادِ صبا اب کبھی چلے

ظفرؔ

(۱)

یا مجھے افسرِ شاہانہ بنایا ہوتا
یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا

اپنا دیوانہ بنایا مجھے ہوتا تُو نے
کیوں خردمند بنایا نہ بنایا ہوتا

خاکساری کے لئے گرچہ بنایا تھا مجھے
کاش خاکِ درِ جانانہ بنایا ہوتا

نشۂ عشق کا گر ظرف دیا تھا مجھ کو
عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا

دلِ صد چاک بنایا تو بلا سے لیکن
زُلفِ مشکیں کا ترے شانہ بنایا ہوتا

صوفیوں کے جو نہ تھا لائقِ صحبت تو مجھے
قابلِ جلسۂ رندانہ بنایا ہوتا

تھا جلانا ہی اگر دوریٔ ساقی سے مجھے
تو چراغِ درِ میخانہ بنایا ہوتا

شعلۂ حُسن چمن میں نہ دکھایا اس نے
ورنہ بُلبُل کو بھی پروانہ بنایا ہوتا

روز معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفر
ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا

(۲)

ہائے کہیئے کسے یہاں اپنا
کون اپنا ہے اور کہاں اپنا

ہم پھرے ڈھونڈھتے عبث اوس کو
دل میں تھا یارِ دلستاں اپنا

پہنچ جائیں گے بامِ عرش تلک
ہے اگر عشق نردباں اپنا

سُنتے ہیں باغ میں گری بجلی
جل گیا ہو نہ آشیاں اپنا

ہو وہ جانِ جہاں نہ ہرگز دوست
اور دشمن ہو اِک جہاں اپنا
آہ کرنے کی بھی نہیں طاقت
اس قدر دل ہے ناتواں اپنا
غنچے گلشن میں ہوں شگفتہ ہزار
پر نہ ہو دل یہ شادماں اپنا
شمع ساں لگ اٹھے زباں کو آگ
گر کروں سوزِ دل بیاں اپنا
ہم ہوئے پیر اَے ظفرؔ لیکن
دل ہے اب تک وُہی جواں اپنا

(۳)

نہیں عشق میں اس کا تو رنج ہمیں کہ قرار و شکیب ذرا نہ رہا
غم عشق تو اپنا رفیق رہا کوئی اور بلا سے رہا نہ رہا
دیا اپنی خودی کو جو ہم نے مٹا وُہ جو پردہ سا بیچ میں تھا نہ رہا
رہے پردہ میں اب نہ وہ پردہ نشیں کوئی دوسرا اس کے سوا نہ رہا
نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

مجھے صاف بتلائیے نگار اگر تو یہ پوچھوں میں رو رو کے خونِ جگر۔
ملے پاؤں سے کس کے ہیں دیدۂ تر کفِ پا پہ جو رنگِ حنا نہ رہا
ظفر آدمی اُس کو نہ جانیئے گا وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

غالب

(۱)

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا
کہتے ہیں ہم تجھ کو مُنہ دکھلائیں کیا

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

لاگ ہو تو اُس کو ہم سمجھیں لگاؤ
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ
یا رب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا

موجِ خوں سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

پُوچھتے ہیں وہ کہ غالبؔ کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

(۲)

دلِ ناداں تجھے ہُوا کیا ہے
آخر اِس درد کی دوا کیا ہے

ہم ہیں مُشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

میں بھی مُنہ میں زبان رکھتا ہُوں
کاش پُوچھو کہ مُدّعا کیا ہے

جبکہ تجھ بِن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے

شکنِ زلفِ عنبریں کیوں ہے
نگہِ چشمِ سُرمہ سا کیا ہے

سبزہ و گُل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے ہَوا کیا ہے

ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا
اور درویش کی صدا کیا ہے

جان تم پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا دُعا کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

(۳۲)

نکتہ چیں ہے غمِ دل اُس کو سُنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

میں بُلاتا تو ہوں اُس کو مگر اے جذبۂ دل
اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے
کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لیے یوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے
تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

(۴)

حسنِ مہ گرچہ بہنگام کمال اچھا ہے
اس سے میرا مہِ خورشید جمال اچھا ہے

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھّا ہے

بے طلب دیں تو مزہ اس میں سوا ملتا ہے
وُہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھّا ہے

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے مُنہ پر رونق
وُہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھّا ہے

دیکھئے پاتے ہیں عُشّاق بتوں سے کیا فیض
اِک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھّا ہے

ہم سُخن تیشہ نے فرہاد کو شیریں سے کیا
جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھّا ہے

قطرہ دریا میں جو مِل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھّا ہے وُہ جس کا کہ مآل اچھّا ہے

ہم کو معلوم ہے جنّت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھّا ہے

امیرؔ مینائی

(۱)

غنی ساتھ دُنیا سے کیا لے گیا
مگر جو کسی کو دیا لے گیا

بڑی پیچ در پیچ تھی راہِ عشق
خدا ہم کو لایا خُدا لے گیا

گیا سامنے یار کے میں تو یوُں
کہ ہاتھوں سے دل کو سنبھالے گیا

گیا دل تو طاقت بھی جاتی رہی
تڑپنے کا بھی وہ مزا لے گیا

بہت تھے اسیرانِ زندانِ ہوش
جنُوں آکے سب کو چھڑا لے گیا

سگِ یار تھا مستحق اے امیرؔ
مرے استخواں کیوں ہُما لے گیا

(۲)

عمرِ برق و شرار ہے دُنیا
کتنی بے اعتبار ہے دُنیا

داغ سے کوئی دل نہیں خالی
کیا کوئی لالہ زار ہے دُنیا

ہر جگہ جنگ، ہر جگہ ہے نزع
عرصۂ کار زار ہے دُنیا

آنے جانے پہ سانس کے ہے مدار
سخت ناپائیدار ہے دُنیا

ایک جھونکے میں بس اِدھر سے اُدھر
چار دن کی بہار ہے دُنیا

کوئی کافر کوئی مسلماں ہے
مجمعِ نور و نار ہے دُنیا

بدتر اس کو سمجھ خزاں سے امیرؔ
دیکھنے کو بہار ہے دُنیا

داغ دہلوی

(۱)

عجب اپنا حال ہوتا جو وصالِ یار ہوتا
کبھی جان صدقے ہوتی کبھی دل نثار ہوتا

کوئی فتنہ تا قیامت نہ پھر آشکار ہوتا
تیرے دِل پہ کاش ظالم مجھے اختیار ہوتا

جو تمہاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا
تمہیں منصفی سے کہدو تمہیں اعتبار ہوتا

یہ مزا تھا دل لگی کا کہ برابر آگ لگتی
نہ تجھے قرار ہوتا نہ مجھے قرار ہوتا

نہ مزا ہے دُشمنی میں نہ ہے لُطف دوستی میں
کوئی غیر غیر ہوتا کوئی یار یار ہوتا

تیرے وعدہ پر ستمگر ابھی اور صبر کرتے
اگر اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا

یہ وہ دردِ دل نہیں ہے کہ ہو چارہ ساز کوئی
اگر ایک بار مٹتا تو ھزار بار ہوتا

تمہیں ناز ہو نہ کیونکر کہ لیا ہے داغ کا دل
یہ رقم نہ ہاتھ لگتی نہ یہ افتخار ہوتا

(۲)

ساز یہ کینہ ساز کیا جانیں
ناز والے نیاز کیا جانیں

شمع رو آپ گو ہوئے لیکن
لطفِ سوز و گداز کیا جانیں

کب کسی در کی جبّہ سائی کی
شیخ صاحب نماز کیا جانیں

جو رہِ عشق میں قدم نہ رکھیں
وہ نشیب و فراز کیا جانیں

پُوچھئے میکشوں سے لُطفِ شراب
یہ مزا پاکباز کیا جانیں

جن کو اپنی خبر نہیں اب تک
وہ مرے دل کا راز کیا جانیں

حضرتِ خضر جب شہید نہ ہوں
لطفِ عمرِ دراز کیا جانیں
جو گذرتے ہیں داغؔ پر صدمے
آپ بندہ نواز کیا جانیں

(۱۳)

سبق ایسا پڑھا دیا تُو نے
دل سے سب کچھ بُھلا دیا تُو نے
ہم نکمے ہُوئے زمانے کے
کام ایسا سکھا دیا تُو نے
کچھ تعلق رہا نہ دُنیا سے
شغل ایسا بتا دیا تُو نے
کس خوشی کی خبر سُنا کے مجھے
غم کا پُتلا بنا دیا تُو نے
لاکھ دینے کا ایک دینا ہے
دل بے مدعا دیا تو نے
کیا بتاؤں کہ کیا لیا میں نے
کیا کہوں میں کہ کیا دِیا تُو نے

بے طلب جو ملا ملا مجھ کو
بے غرض جو دیا دیا تُو نے
عمرِ جاوید خضر کو بخشی
آبِ حیواں پلا دیا تو نے
نارِ نمرود کو کیا گلزار
دوست کو یوں بچا دیا تو نے
نغمہ بلبل کو، رنگ و بُو گُل کو
دلکش و خوشنما دیا تُو نے
کہیں مشتاق سے حجاب ہُوا
کہیں پردہ اُٹھا دیا تُو نے
جس قدر میں نے تجھ سے خواہش کی
اس سے مجھ کو سوا دیا تُو نے
رہبرِ خضر و ہادیِ الیاس
مجھ کو وہ رہنما دیا تُو نے
مٹ گئے دل سے نقشِ باطل سب
نقشہ اپنا جما دیا تُو نے

ہے یہی راہِ منزلِ مقصود
خوب رستے لگا دیا تُو نے

مجھ گنہگار کو جو بخش دیا
تو جہنم کو کیا دیا تُو نے

داغؔ کو کون دینے والا تھا
جو دیا اے خدا دیا تُو نے

حالیؔ

(۱)

دردِ دل کو دوا سے کیا مطلب
کیمیا کو طلا سے کیا مطلب

چشمۂ زندگی ہے ذکرِ جمیل
خضر و آبِ بقا سے کیا مطلب

بادشاہی ہے نفس کی تسخیر
ظلِّ بالِ ہُما سے کیا مطلب

جن کے معبود حُورو غلماں ہیں
اُن کو زاھد خدا سے کیا مطلب

کام ہے مردمی سے انساں کی
زُھد یا اِتقّا سے کیا مطلب

ہے اگر رند دامن آلودہ
ہم کو چون و چرا سے کیا مطلب

صُوفیِ شہر باصفا ہے اگر
ہو۔ ہماری بلا سے کیا مطلب

نگہتِ مے پہ غش ہیں جو حالیؔ
اُن کو وُرد و صفا سے کیا مطلب

(۲)

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں
رخنے نکلیں گے سینکڑوں اس میں

کی نصیحت بڑی طرح ناصح
اور اِک بس بلا دیا بس میں

ہو نہ بینا تو فرق پھر کیا ہے
چشمِ انسان و چشمِ نرگس میں

بے قدم دم ہیں خانقاہوں میں
بے عمل علم ہیں مدارس میں

دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز
اب دھرا کیا ہے اُس میں اور اِس میں

نہ ہو قبضے میں جب عنانِ فرس
ہیچ ہیں جو ہُنر ہیں فارس میں

جس سے نفرت ہے اہلِ نعمت کو
وُہی نعمت ہے چشمِ مفلس میں

ہے فرشتہ بھی تو نہیں اِنسان
درد تھوڑا بہت نہ ہو جس میں

جانور. آدمی. فرشتہ. خُدا
آدمی کی ہیں سینکڑوں قِسمیں

آج کل چرخِ صُلح جُو ہے بہت
دیکھیے ہو لگاڑ کس کس میں

کی ہے خلوت پسند حالی نے
اب نہ دیکھوگے اِس کو مجلس میں

(۳)

بڑھاؤ نہ آپس میں ملّت زیادہ
مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ
تکلّف علامت ہے بیگانگی کی
نہ ڈالو تکلّف کی عادت زیادہ
نکالو نہ رخنے نسب میں کسی کے
نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ
جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زباں سے
نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ
مصیبت کا اک اک سے احوال کہنا
مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ
کہیں دوست تم سے نہ ہو جائیں بدظن
جتاؤ نہ اپنی محبّت زیادہ
جو چاہو فقیری میں عزت سے رہنا
نہ رکھّو امیروں سے ملّت زیادہ
ہے اُلفت بھی وحشت بھی دنیا سے لازم
نہ اُلفت زیادہ نہ وحشت زیادہ

فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ
ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں آخر
نہیں بس اب اے عقل مہارت زیادہ

غزل میں وہ رنگت نہیں تیرے حالی
الاپیں نہ بس آپ دُھر پت زیادہ

اکبر الٰہ آبادی

(۱)

امتیازِ حسرت و رنج و الم جاتا رہا
غم ہوا اتنا کہ اب احساسِ غم جاتا رہا

بزمِ دنیا میں کہاں سامانِ حشمت کو ثبات
گم ہوئی مہرِ سلیماں، جامِ جم جاتا رہا

جس سے تھا خود داریٔ اربابِ حاجت کا نباہ
وہ سلیقہ تم سے اے اہلِ کرم جاتا رہا

نقلِ مغرب میں جو چھوڑی ایشیا نے اپنی اصل
گھٹ گئی شانِ عرب، حسنِ عجم جاتا رہا

(۲)

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

معرفت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہے
شہرِ تن میں جبکہ خود اپنا پتا ملتا نہیں

غافلوں کے لطف کو کافی ہے دنیاوی خوشی
عاقلوں کو بے غمِ عقبیٰ مزا ملتا نہیں

کشتیٔ دل کی الٰہی بحرِ ہستی میں ہو خیر
ناخدا ملتے ہیں لیکن باخدا ملتا نہیں

غافلوں کو کیا سناؤں داستانِ عشقِ یار
سونے والے ملتے ہیں درد آشنا ملتا نہیں

زندگانی کا مزا ملتا تھا جن کی بزم میں
ان کی قبروں کا بھی اب مجھ کو پتا ملتا نہیں

صرفِ ظاہر ہو گیا سرمایۂ زیب و صفا
کیا تعجب ہے جو باطن باصفا ملتا نہیں

پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر
کوہساروں میں نشانِ نقشِ پا ملتا نہیں

(۴۳)

اچھی نہیں شے کوئی محبّت سے زیادہ
وُہ بھی ہے بُری ہو جو ضرورت سے زیادہ
اے حُسن کے مائل یہ نصیحت مری سُن لے
سیرت پہ نظر چاہیئے صورت سے زیادہ
مُجھ رند سے اس درجہ نہ ہو محترز اے شیخ
تُو پاک نہیں ہے مری نیّت سے زیادہ

(۴۴)

مری رُوح تن سے جُدا ہو گئی
کسی نے نہ جانا کہ کیا ہو گئی
نہ تھا منزلِ عافیت کا پتا
قناعت مری رہنما ہو گئی
ستایا بہت حاسدوں نے مجھے
تری مہربانی جفا ہو گئی

گھٹی گو کہ رندی سے وقعت مری
طبیعت مگر بے ریا ہو گئی

گوارا نہ تھا ذکرِ خونِ جگر
مگر اب تو میری غذا ہو گئی

رہِ معرفت میں جو رکھا قدم
خودی بھی بس اک نقشِ پا ہو گئی

وہ ساری اُمیدیں ملیں خاک میں
جو بدلی اُٹھی تھی ہوا ہو گئی

پھنسی جسمِ خاکی میں رُوحِ لطیف
اسیرِ کمندِ ہوا ہو گئی

دوا کیا کہ وقتِ دُعا بھی نہیں
تری حالت اکبرؔ یہ کیا ہو گئی

چکبست

(۱)

دردِ دل، پاسِ وفا جذبۂ ایماں ہونا
آدمیت ہے یہی اور یہی انساں ہونا

نو گرفتارِ بلا طرزِ فغاں کیا جانیں
کوئی ناشاد سکھا دے انہیں نالاں ہونا

رہ کے دنیا میں ہے یوں ترکِ ہوس کی کوشش
جس طرح اپنے ہی سایہ سے گریزاں ہونا

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

دل اسیری میں بھی آزاد ہے آزادوں کا
ولولوں کے لئے ممکن نہیں زنداں ہونا

گل کو پامال نہ کر لعل و گہر کے مالک
ہے اسے طرۂ دستارِ عزیزاں ہونا

ہے مرا ضبطِ جنوں جوشِ جنوں سے بڑھ کر
ننگ ہے میرے لئے چاک گریباں ہونا
ہم اسیروں کی دُعا ہے کہ چمن سے اِک دن
دیکھتے خانۂ صیّاد کا ویراں ہونا

(۲)

مٹی ہیں گُل جو اور کسی بوستاں کے ہیں
کانٹے عزیز گلشنِ ہندوستاں کے ہیں
ہم سوچتے ہیں رات کو تاروں کو دیکھ کر
شمعیں زمین کی ہیں جو داغ آسماں کے ہیں
صحنِ چمن سے دُور انہیں باغباں نہ پھینک
تنکے جو یادگار مِرے آشیاں کے ہیں
جنّت میں خاک بادہ پرستوں کا دل لگے
نقشے نظر میں صحبتِ پیرِ مغاں کے ہیں
اپنا مقام شاخِ بریدہ ہے باغ میں
گُل ہیں مگر ستائے ہُوئے باغباں کے ہیں
اِک سلسلہ ہوس کا ہے انساں کی زندگی
اس ایک مُشتِ خاک کو غم دو جہاں کے ہیں

قصے لکھے ہوئے ہیں جو فرہاد و قیس کے
کھوئے ہوئے ورق وہ مری داستاں کے ہیں

(۳)

مٹنے والوں کی وفا کا یہ سبق یاد رہے
بیڑیاں پاؤں میں ہوں اور دل آزاد رہے

ایک ساغر بھی عنایت نہ ہوا یاد رہے
ساقیا جاتے ہیں محفل تری آباد رہے

دل وہ دل ہے جو سدا ضبط سے ناشاد رہے
لب وہ لب ہے جو نہ شرمندۂ فریاد رہے

خوشنوائی کا سبق میں نے قفس میں سیکھا
کیا کہوں اور، سلامت مرا صیاد رہے

تار بگڑا ہوا ہے دل کو سنبھالوں کب تک
لَے کی پابند کہاں تک مری فریاد رہے

آپ سے ہم سے ہوا تھا کبھی پیمانِ وفا
کیجئے ظلم مگر وہ بھی گھڑی یاد رہے

باغباں دل سے وطن کو یہ دعا دیتا ہے
میں رہوں یا نہ رہوں یہ چمن آباد رہے

مجھ کو بِل جائے چہکنے کے لئے شاخ مری
کون کہتا ہے کہ گلشن میں نہ صیّاد رہے

جذبۂ قوم سے خالی نہ ہو سودائے شباب
وہ جوانی ہے جو اس شوق میں برباد رہے

حکم مالی کا یہ ہے پھول نہ ہنسنے پائیں
چُپ رہے باغ میں کوئل اگر آزاد رہے

باغ میں لے کے جنم ہم نے اسیری جھیلی
ہم سے اچھے رہے جنگل میں جو آزاد رہے

شاد عظیم آبادی

(۱)

تمنّاؤں میں اُلجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

ہوں اُس کوچے کے ہر ذرّے سے آگاہ
اُدھر سے مدّتوں آیا گیا ہوں

نہیں اُٹھتے قدم کیوں جانبِ دیر
کسی مسجد میں بہکایا گیا ہوں

دلِ مضطر سے پُوچھ اے رونقِ بزم
میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں

سنایا آکے پہروں آرزو نے
جو دم بھر آپ میں پایا گیا ہوں

کُجا میں اور کُجا اے شادؔ دُنیا
کہاں سے کس جگہ لایا گیا ہوں

(۲)

جہاں تک ہو بسر کر زندگی عالی خیالوں میں
بنا دیتا ہے کامل بیٹھنا صاحب کمالوں میں

مری آنکھوں سے دیکھو حسنِ صورت کے علاوہ بھی
بہت سی خوبیاں ہیں اور بھی صاحب جمالوں میں

مرے پہلو سے آخر اُٹھ گیا غمخوار گھبرا کر
بہت مشکل ہے آکر بیٹھنا آشفتہ حالوں میں

جو آنکھیں ہوں تو چشمِ غور سے اوراقِ گُل دیکھو
کسی کے حُسن کی شرحیں لکھی ہیں ان رسالوں میں

خوشا وہ صدر ہیں جن کو جگہ وہ شاہِ خوباں دے
ہمارا ذکر کیا اے شادؔ ہم ہیں خستہ حالوں میں

(۳)

قدرِ ہنر تھی جن سے وہ اہلِ ہنر گئے
یہ دَور اور ہے وہ زمانے گذر گئے
جنگل کو باغ، باغ کو جو خُلد کر گئے
کیوں اے صبا وہ پھول چمن سے کدھر گئے
جن جن سے اک خزانۂ قدرت ہے یہ زمیں
اے چرخ کس خرابہ میں وہ اہلِ زر گئے
بگڑے ہوئے تھے واعظوں کی جو صحبت میں ساقیا
صد شکر میکدہ میں وہ آکر سنور گئے
تکلیف اُٹھائی دل نے کہ آرام سے کٹی
ہر طرح شادؔ دونوں زمانے گذر گئے

مہرؔ

(۱)

پہلو میں تو جو اے دلِ خانہ خراب تھا
سیماب کی طرح سے مجھے اضطراب تھا

پندار اپنا مانعِ دیدار ہو گیا
شاہد کو ورنہ اب ہے نہ پہلے حجاب تھا

گھر تھا زبسکہ بیم و رجا کا دلِ حزیں
ہر روز میرے واسطے روزِ حساب تھا

تیری نگاہِ مست کی اللہ رے شوخیاں
صوفی بھی بادہ کش کی طرح سے خراب تھا

عمرِ عزیز چشم زدن میں بسر ہوئی
گویا ہماری ہستیٔ موہوم خواب تھا

دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے فراقِ دوست
کیسا تمہارے ہجر میں جاں پر عذاب تھا

جب تک تھی آنکھ بند جُدائی بھی تھی اُسے
جس وقت چشم وا ہُوئی دریا حباب تھا

کھو کر قرار حضرتِ دل کیوں ہو مضطرب
یہ تو کتابِ عشق کا پہلا ہی باب تھا

دیکھا جو ان کو جوشِ طرب سے بدل گیا
اُن کے ستم کا جو گلۂ بے حساب تھا

کہتے ہیں جس کو بندِ علائق وُہی تو مہرؔ
اُس شوخِ بے حجاب کا بندِ نقاب تھا

(۲)

درِ جاناں سے نہ لے جائے خدا اور کہیں
ہم نہیں جائیں گے اس در کے سوا اور کہیں

کہہ دیا اُن کی جُدائی نے عزیزوں سے جُدا
میں کہیں اور ہُوں اور دل ہے مرا اور کہیں

آپ کے کُوچے میں اغیار کہاں آتے ہیں
میں نے ہی دیکھے ہیں نقشِ کفِ پا اور کہیں

گھر سے نکلے تو تھے کعبے کا ارادہ کر کے
شوقِ کمبخت مگر لے ہی گیا اور کہیں

بے ٹھکانوں کا ٹھکانا ہے ترے کوچے میں
نہ گئے اور نہ جائیں یہ گدا اور کہیں

جب سے عاشق ہوئے ہم دیکھ لیا گھر اُس نے
نہیں نازل ہوئی مدّت سے بلا اور کہیں

قیس و فرہاد نے آباد کئے دشت و جبل
جا مرے رہنے کو اے عشق بتا اور کہیں

ابتدا میں تھے غم عشق کے ارماں کیا کیا
آج ٹالے نہیں ٹلتی یہ بلا اور کہیں

حضرت مہرؔ کسی دھن میں چلے آتے ہیں
آنکھ پڑتی ہے کہیں اور تو پا اور کہیں

اقبال

(۱)

زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اُٹھے گا گفتگو کا
مری خموشی نہیں ہے گویا، مزار ہے حرفِ آرزو کا

جو موج دریا لگی یہ کہنے سفر سے قائم ہے شان میری
گہر یہ بولا صدف نشینی ہے مجھ کو سامان آبرو کا

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے
ہُوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکس سروِ کنارِ جُو کا

کوئی دل ایسا نظر نہ آیا، نہ جس میں خوابیدہ ہو تمنّا
الٰہی تیرا جہان کیا ہے! نگار خانہ ہے آرزو کا

کھُلا یہ مر کر کہ زندگی اپنی تھی طلسم ہوس سراپا
جسے سمجھتے تھے جسمِ خاکی، غبار تھا کوئے آرزو کا

اگر کوئی شے نہیں ہے پنہاں تو کیوں سراپا تلاش ہوں میں
نگہ کو نظارے کی تمنّا ہے، دل کو سودا ہے جستجُو کا

چمن میں گلچیں سے غنچہ کہتا تھا، اتنا بیدرد کیوں ہے انساں
تری نگاہوں میں ہے تبسّم شکستہ ہونا مرے سبُو کا

ریاضِ ہستی کے ذرّے ذرّے سے ہے محبّت کا جلوہ پیدا
حقیقتِ گُل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی پیماں ہے رنگ و بُو کا

تمام مضموں مرے پُرانے کلام میرا خطا سراپا
ہُنر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جُو کا

سپاس شرطِ ادب ہے ورنہ کرم ترا ہے ستم سے بڑھ کر
ذرا سا اِک دل دیا ہے وُہ بھی فریب خوردہ ہے آرزو کا

کمالِ وحدت عیاں ہے ایسا کہ نوکِ نشتر سے تو جو چھیڑے
یقیں ہے مجھ کو گرے رگِ گل سے قطرہ انسان کے لہُو کا

گیا ہے تقلید کا زمانہ، مجاز رختِ سفر اُٹھائے
ہُوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کس کو یارا ہے گفتگو کا

جو گھر سے اقبال دُور ہوں میں، تو ہوں نہ محزوں عزیز میرے
مثالِ گوہر وطن کی فرقت، کمال ہے میری آبرُو کا

(۲)

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بُو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

اگر کھو گیا اِک نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

تُو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

اسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

فانی بدایونی

(۱)

خوشی سے رنج کا بدلا یہاں نہیں ملتا
وُہ مل گئے تو مجھے آسماں نہیں ملتا

ہزار ڈھونڈھئے اس کا نشاں نہیں ملتا
جبیں ملے تو ملے آستاں نہیں ملتا

بھڑک کے شعلۂ گل تُو ہی اب لگا دے آگ
کہ بجلیوں کو مرا آشیاں نہیں ملتا

وہ بدگماں کہ مجھے تاب رنجِ زیست نہیں
مجھے یہ غم کہ غم جاوداں نہیں ملتا

تری تلاش کا فی الجملہ ماحصل یہ ہے
کہ تو یہاں نہیں ملتا. وہاں نہیں ملتا

مجھے بلا کے یہاں آپ چھپ گیا کوئی
وہ میہماں ہوں جسے میزباں نہیں ملتا

دیارِ عمر میں اب قحطِ مہر ہے فانیؔ
کوئی اجل کے سوا مہرباں نہیں ملتا

(۲)

خلق کہتی ہے جسے دل ترے دیوانے کا
ایک گوشہ ہے یہ دنیا اسی ویرانے کا

اک معمّہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

حسن ہے ذات مری عشق صفت ہے میری
ہوں تو میں شمع مگر بھیس ہے پروانے کا

کعبہ کو دل کی زیارت کے لئے جاتا ہوں
آستانہ ہے حرم میرے صنم خانے کا

مختصر قصۂ غم یہ ہے کہ دل رکھتا ہوں
رازِ کونین خلاصہ ہے اس افسانے کا

زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ مرے مر جانے کا

دل سے پہنچی تو ہیں آنکھوں میں لہو کی بوندیں
سلسلہ شیشے سے ملتا تو ہے پیمانے کا

وحدتِ حُسن کے جلووں کی یہ کثرت اے عشق
دل کے ہر ذرّے میں عالم ہے پری خانے کا

ہم نے چھانی ہیں بہت دیر و حرم کی گلیاں
کہیں پایا نہ ٹھکانا ترے دیوانے کا

ہر نفس عمرِ گذشتہ کی ہے میّت فانیؔ
زندگی نام ہے مر مر کے جیئے جانے کا

حسرت موہانی

(۱)

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں
الٰہی ترکِ اُلفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہیں

نہ چھیڑ اے ہمنشیں کیفیتِ صہبا کے افسانے
شرابِ بیخودی کے مجھ کو ساغر یاد آتے ہیں

رہا کرتے ہیں قیدِ ہوش میں اے وائے ناکامی
وہ دشتِ خود فراموشی کے چکر یاد آتے ہیں

نہیں آتی تو یاد اُن کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

حقیقت کھل گئی حسرتؔ ترے ترکِ محبت کی
تجھے تو اب وہ پہلے سے بھی بڑھ کر یاد آتے ہیں

(۲)

نگاہِ ناز جسے آشنائے راز کرے
وہ کیوں نہ خوبیٔ قسمت پہ اپنی ناز کرے

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

ترے ستم سے میں خوش ہوں کہ غالباً یُوں بھی
مجھے وہ شاملِ اربابِ امتیاز کرے

غمِ جہاں سے جسے ہو فراغ کی خواہش
وہ ان کے دردِ محبّت سے ساز باز کرے

اُمیدوار ہیں ہر سمت عاشقوں کے گروہ
تری نگاہ کو اللہ دلنواز کرے

ترے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرتؔ
اب آگے تیری خوشی ہے جو سرفراز کرے

(۳)

تیرا کرم جور نما میرے لئے ہے
یہ درد کہ ہے جانِ دوا میرے لئے ہے

پرسش جو ہوئی روزِ ازل قسمتِ غم کی
بے ساختہ دل بول اٹھا میرے لئے ہے

میں اپنی مصیبت پہ ہوں نازاں کہ وہ خوش ہیں
مجھ سے کہ یہ پابندِ بلا میرے لئے ہے

غیروں سے کبھی ہے انہیں نفرت کبھی اُلفت
ان دونوں سے اک بات جدا میرے لئے ہے

ایسا تو نہ ہوگا کہ نہ پہونچوں تیرے در تک
جب تیری کشش راہ نما میرے لئے ہے

مقصود ہے اتنا کہ رہے مجھ پہ توجہ
مخصوص یہ اندازِ جفا میرے لئے ہے

دیکھا تو کہا مجھ کو غمِ یار نے حسرتؔ
یہ سوختۂ بے سر و پا میرے لئے ہے

فراقؔ

ایک عالم پہ بار ہیں ہم لوگ
کس کے دل کا غبار ہیں ہم لوگ
صد بقا صد فنا کی ہیں تصویر
عالمِ انتظار ہیں ہم لوگ

ہم سے شادابیاں حیات کی ہیں
چشمِ خوننابہ بار ہیں ہم لوگ
ہم سے ہے گرم سینۂ ہستی
وہ بھڑکتے شرار ہیں ہم لوگ
ہم سے پھوٹی شعاعِ صبحِ حیات
مطلعِ روزگار ہیں ہم لوگ
ہم میں پنہاں رموزِ نشو و نمو
پردہ دارِ بہار ہیں ہم لوگ

ہم نے توڑی ہر ایک قیدِ حیات
کہ کتنے بے اختیار ہیں ہم لوگ

ہم نے فردا کو کر دیا امروز
کیا قیامت شعار ہیں ہم لوگ

زندہ باد ! انقلاب زندہ باد ! !
سر بکف ہیں نثار ہیں ہم لوگ

اثرِ دردِ زندگی سے فراقؔ
بے خود و بے قرار ہیں ہم لوگ

یعنی صبحِ ازل سے اپنے لئے
ہمہ تن انتظار ہیں ہم لوگ

منظومات

دردؔ

شبنم

چمن میں صبح یہ کہتی تھی ہو کے چشم تر شبنم
بہار باغ تو یوں ہی رہی لیکن کدھر شبنم
ہمیں تو باغ تجھ بن خانۂ ماتم نظر آیا
ادھر گل پھاڑتے تھے جیب روتی تھی ادھر شبنم
کرے ہے کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف طبعوں کی
ہوئی آتش سے گل پر بیٹھ کر رشک شرر شبنم
بھلا ٹک صبح ہونے دو اسے بھی دیکھ لیویں گے
کسی عاشق کے رونے سے نہیں رکھتی خبر شبنم
نہیں اسباب کچھ لازم سبکساروں کے اٹھنے کو
گئی اڑ دیکھتے اپنے بغیر از بال و پر شبنم

نہ پایا جو گیا اس باغ سے ہرگز سراغ اس کا
نہ پلٹی پھر صبا ادھر نہ پھر آئی نظر شبنم
نہ سمجھا ور دہم نے بھید یاں کی شادی و غم کا
سحر خنداں ہے کیوں روتی ہے کس کو یاد کر شبنم

سرور

پدمنی

عندلیبوں کو ملی آہ و بکا کی تعلیم
اور پروانوں کو دی سوزِ وفا کی تعلیم
جب ہر اک چیز کو قدرت نے عطا کی تعلیم
آئی حصے میں ترے ذوقِ فنا کی تعلیم
نرم و نازک تجھے اعضا دیئے جلنے کے لئے
دل دیا آگ کے شعلوں پہ پگھلنے کے لئے

رنگ تصویر کے پردے میں جو چمکا تیرا
خود بخود لوٹ گیا جلوۂ رعنا تیرا
ڈھال کر کالبدِ نور میں پتلا تیرا
یدِ قدرت نے بنایا جو سراپا تیرا

بھر دیا کوٹ کے سوزِ غمِ شوہر دل میں
رکھ دیا چیر کے اِک شعلۂ مضطر دل میں

تُو وہ تھی شمع کہ پروانہ بنایا تجھ کو
تُو وہ لیلی تھی کہ دیوانہ بنایا تجھ کو
رونقِ خلوتِ شاہانہ بنایا تجھ کو
نازشِ ہمّتِ مردانہ بنایا تجھ کو

ناز آیا ترے حِصّے میں ادا بھی آئی
جاں فروشی بھی، محبت بھی، وفا بھی آئی

آئی دُنیا میں جو تُو حسن میں یکتا بن کر
چمنِ دہر میں پھُولی گلِ رعنا بن کر
رہی ماں باپ کی آنکھوں کا جو تارا بن کر
دلِ شوہر میں رہی خالِ سویدا بن کر

حسنِ خدمت سے شگفتہ دلِ شوہر رکھا
کہ قدم جادۂ طاعت سے نہ باہر رکھا

تیری فطرت میں مروت بھی تھی، غمخواری بھی
تیری صورت میں ادا بھی تھی، طرحداری بھی
جلوۂ حسن میں شامل تھی نکوکاری بھی
درد آیا ترے حصے میں تو خودداری بھی

آگ پر بھی نہ تجھے آہ! مچلتے دیکھا
تپشِ حسن کو پہلو نہ بدلتے دیکھا

تو وہ عصمت کی تھی اک آئینہ سیما تصویر
حسن سیرت سے تھی تیری متجلّا تصویر
لاکھ تصویروں سے تھی اک تری زیبا تصویر
تجھ کو قدرت نے بنایا تھا سراپا تصویر

نور ہی نور ترے جلوۂ مستور میں تھا
انجمِ ناز کا جھرمٹ رخِ پرنور میں تھا

لب میں اعجاز، حیا چشم فسوں ساز میں تھی
کہ قیامت کی ادا تیرے ہر انداز میں تھی
شکل پھرتی جو تری دیدۂ غمّاز میں تھی
برقِ بیتاب تری جلوہ گہِ ناز میں تھی

یہ وہ بجلی تھی قیامت کی تڑپ تھی جس میں
شعلۂ نارِ عقوبت کی تڑپ تھی جس میں

یہ وُہ بجلی تھی جو تیغ شرر افشاں ہو کر
کوند اُٹھی قلعہ چتوڑ میں جولاں ہو کر
یہ وُہ بجلی تھی جو سوزِ غم حرماں ہو کر
خاک سے لوٹ گئی تیری پشیماں ہو کر

یہ وُہ بجلی تھی تجھے جس کے اثر نے پھونکا
رفتہ رفتہ تپشِ سوزِ جگر نے پھونکا

آہ! او عشوہ و انداز و ادا کی دیوی
آہ! او ہند کے ناموسِ وفا کی دیوی
آہ! او پرتوِ انوارِ صفا کی دیوی
او زیارت کدۂ شرم و حیا کی دیوی

تیری تقدیس کا قائل ہے زمانہ اب تک
تیری عفّت کا زباں پر ہے فسانہ اب تک

آفریں ہے تری جانبازی و ہمّت کے لئے
آفریں ہے تری عفّت تری عصمت کے لئے
کیا لُٹائے گا زمانہ تری شہرت کے لئے
کہ چلی آتی ہے اک خلق زیارت کے لئے

نقش اب تک تری عظمت کا ہے بیٹھا دل میں
تُو وہ دیوی ہے ترا لگتا ہے میلہ دل میں

اسمٰعیل

گرمی کا موسم

مئی کا آن پہنچا ہے مہینہ
بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ

بجے بارہ تو سورج سر پہ آیا
ہوا پیروں تلے پوشیدہ سایہ

چلی لُو اور تڑاقے کی پڑی دھوپ
لپٹ ہے آگ کی گویا کڑی دھوپ

زمیں ہے یا کوئی جلتا توا ہے
کوئی شعلہ ہے یا پچھوا ہوا ہے

در و دیوار ہیں گرمی سے تپتے
بنی آدم ہیں مچھلی سے تڑپتے

پرندے اُڑ کے ہیں پانی پہ گرتے
چرندے بھی ہیں گھبرائے سے پھرتے

درندے چھپ گئے ہیں جھاڑیوں ہیں
مگر ڈوبے پڑے ہیں کھاڑیوں ہیں
نہ پوچھو کچھ غریبوں کے مکاں کی
زمیں کا فرش ہے چھت آسماں کی
امیروں کو مبارک ہو حویلی
غریبوں کا بھی ہے اللہ بیلی

اکبر الہ آبادی

فرزند نیک

بیٹے کو لوگ کہتے ہیں آنکھوں کا نور ہے
ہے زندگی کا لطف تو دل کا سرور ہے

گھر میں اسی کے دم سے ہے ہر سمت روشنی
نازاں ہے اس پہ باپ تو ماں کو غرور ہے
خوش قسمتی کی اس کو نشانی سمجھتے ہیں
کہتے ہیں یہ خدا کے کرم کا ظہور ہے
اکبر بھی اس خیال سے رکھتا ہے اتفاق
اس کا بھی ہے یہ قول کہ ایسا ضرور ہے
البتہ شرط یہ ہے کہ بیٹا ہے ہونہار
مائل ہے نیکیوں پہ بُرائی سے دُور ہے
سُنتا ہے دل لگا کے بزرگوں کی پند کو
وقتِ کلام لب پہ جناب و حضور ہے
برتاؤ اس کا صدق و محبّت سے ہے بھرا
اس میں نہ ہے فریب نہ کچھ مکر و زور ہے
افکارِ والدین میں ہے دل سے وہ شریک
ہمدرد ہے معین ہے اہلِ شعور ہے
راضی ہے اُس پہ باپ کی جو کچھ ہو مصلحت
صابر ہے با ادب ہے عقیل و غیور ہے

رکھتا ہے خاندان کی عزت کا وہ خیال
نیکوں کا دوست صحبتِ بد سے نفور ہے
کسبِ کمال کی ہے شب و روز اس کو دھن
علم و ہنر کے شوق کا دل میں وفور ہے
لیکن جو ان صفات کا مطلق نہیں پتا
اور پھر بھی ہے خوشی تو خوشی کا قصور ہے

چکبست

راماین کا ایک سین

رخصت ہوا وہ باپ سے لے کر خدا کا نام
راہِ وفا کی منزلِ اوّل ہوئی تمام
منظور تھا جو ماں کی زیارت کا انتظام
دامن سے اشک پوچھ کے دل سے کیا کلام
اظہار بیکسی سے ستم ہوگا اور بھی
دیکھا ہمیں اداس تو غم ہوگا اور بھی

دل کو سنبھالتا ہُوا آخر وہ نونہال
خاموش ماں کے پاس گیا صورتِ خیال
دیکھا تو ایک در میں ہے بیٹھی وہ خستہ حال
سکتا سا ہوگیا ہے یہ ہے شدّتِ ملال
تن میں لہُو کا نام نہیں زرد رنگ ہے
گویا بشر نہیں کوئی تصویرِ سنگ ہے
کیا جانے کس خیال میں گُم تھی وُہ بے گناہ
نورِ نظر پہ دیدۂ حسرت سے کی نگاہ
جنبش ہُوئی لبوں کو بھری ایک سرد آہ
لی گوشہ ہائے چشم سے اشکوں نے رخ کی راہ
چہرے کا رنگ حالتِ دل کھونے لگا
ہر موئے تن زباں کی طرح بولنے لگا
آخر اسیرِ یاس کا قفلِ دہن کھُلا
افسانۂ شدائدِ رنج و محن کھُلا
اک دفترِ مظالمِ چرخِ کہن کھُلا
وا تھا دہانِ زخم کہ بابِ سخن کھُلا

دردِ دلِ غریب جو صرفِ بیاں ہُوا
خُونِ جگر کا رنگ سخن سے عیاں ہُوا

رو کر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں
میں جانتی ہوں جس لیئے آئے ہو تم یہاں
سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو رواں
لیکن میں اپنے مُنہ سے نہ ہرگز کہوں گی ہاں

کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیج دُوں
جوگی بنا کے راج دُلارے کو بھیج دُوں

دُنیا کا ہو گیا ہے یہ کیسا لہُو سپید
اندھا کئے ہُوئے ہے زر و مال کی اُمید
انجام کیا ہو کوئی نہیں جانتا یہ بھید
سوچے بشر تو جسم ہو لرزاں مثالِ بید

لکھی ہے کیا حیاتِ ابد ان کے واسطے
پھیلا رہے ہیں جال یہ کس دن کے واسطے

لیتی کسی فقیر کے گھر میں اگر جنم
ہوتے نہ میری جان کو سامان یہ بہم

ڈستا نہ سانپ بن کے مجھے شوکت و حشم
تم میرے لال تھے مجھے کس سلطنت سے کم
میں خوش ہوں پھونک دے کوئی اس تخت و تاج کو
تم ہی نہیں تو آگ لگاؤں گی راج کو

کن کن ریاضتوں سے گذارے ہیں ماہ و سال
دیکھی تمہاری شکل جب اے میرے نونہال
پورا ہوا جو بیاہ کا ارمان تھا کمال
آفت یہ آئی مجھ پہ ہوئے جب سفید بال
چھٹتی ہوں اُن سے، جوگ لیا جن کے واسطے
کیا سب کیا تھا میں نے اِسی دن کے واسطے

ایسے بھی نامراد بہت آئیں گے نظر
گھر جن کے بے چراغ رہے آہ عمر بھر
رہتا مِرا بھی نخلِ تمنّا جو بے ثمر
یہ جائے صبر تھی کہ دعا میں نہیں اثر
لیکن یہاں تو بن کے مقدّر بگڑ گیا
پھل پھول لا کے باغِ تمنّا اُجڑ گیا

سرزد ہوئے تھے مجھ سے خدا جانے کیا گناہ
منجدھار میں جو یوں مری کشتی ہوئی تباہ
آتی نظر نہیں کوئی امن و اماں کی راہ
اب یاں سے کوچ ہو تو عدم میں ملے پناہ
تقصیر میری خالق عالم بحل کرے
آسان مجھ غریب کی مشکل اجل کرے

سُن کر زباں سے ماں کی یہ فریاد درد خیز
اس خستہ جاں کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز
عالم یہ تھا قریب کہ آنکھیں ہوں اشک ریز
لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز
سوچا یہی کہ جان سے بیکس گذر نہ جائے
ناشاد ہم کو دیکھ کے ماں اور مر نہ جائے

پھر عرض کی یہ مادرِ ناشاد کے حضور
مایوس کیوں ہیں آپ، الم کا ہے کیوں وفور
صدمہ یہ شاق، عالم پیری میں ہے ضرور
لیکن نہ دل سے کیجئے صبر و قرار دور

شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی
کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

یہ جل، یہ فریب، یہ سازش، یہ شور و شر
ہوتا جو ہے سب اُس کے بہانے ہیں سربسر
اسباب ظاہری ہیں، نہ ان پر کرو نظر
کیا جانے کیا ہے پردۂ قدرت میں جلوہ گر

خاص اُس کی مصلحت کوئی پہچانتا نہیں
منظور کیا اُسے ہے کوئی جانتا نہیں

راحت ہو یا کہ رنج، خوشی ہو کہ انتشار
واجب ہر ایک رنگ میں ہے شکرِ کردگار
تم ہی نہیں ہو کشتۂ نیرنگِ روزگار
ماتم کدے میں دہر کے لاکھوں ہیں سوگوار

سختی سہی نہیں، کہ اُٹھائی کڑی نہیں
دنیا میں کیا کسی پہ مصیبت پڑی نہیں

دیکھے ہیں اس سے بڑھ کے زمانے نے انقلاب
جن سے کہ بے گناہوں کی عمریں ہوئیں خراب

سوزِ دروں سے قلب و جگر ہو گئے کباب
پیری مٹی کسی کی، کسی کا مٹا شباب
کچھ بن نہیں پڑا جو نصیب بگڑ گئے
وہ بجلیاں گریں کہ بھرے گھر اُجڑ گئے
ماں باپ مُنہ ہی دیکھتے تھے جن کا ہر گھڑی
قائم تھیں جن کے دم سے اُمیدیں بڑی بڑی
دامن پہ جن کے گرد بھی اُڑ کر نہیں پڑی
ماری نہ جن کو خواب میں بھی پھول کی چھڑی
محروم جب وُہ گُل ہوئے رنگِ حیات سے
ان کو جلا کے خاک کیا اپنے ہات سے
کہتے تھے لوگ دیکھ کے ماں باپ کا ملال
ان بیکسوں کی جان کا بچنا ہے اب محال
ہے کبریا کی شان گذرتے ہی ماہ و سال
خود دل سے دردِ ہجر کا مٹتا گیا خیال
ہاں کچھ دنوں تو نوحہ و ماتم ہوا کیا
آخر کو رو کے بیٹھ رہے اور کیا کیا

پڑتا ہے جس غریب پہ رنج و محن کا بار
کرتا ہے اس کو صبر عطا آپ کردگار
مایوس ہو کے ہوتے ہیں انساں گناہ گار
یہ جانتے نہیں وہ ہے دانائے روزگار
انسان اُس کی راہ میں ثابت قدم رہے
گردن وُہی ہے امرِ رضا میں جو خم رہے

اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام
بعدِ سفر وطن میں ہم آئیں گے شادکام
ہوتے ہیں بات کرنے میں چودہ برس تمام
قائم اُمید ہی سے ہے، دُنیا ہے جس کا نام
اور یُوں کہیں بھی رنج و بلا سے مفر نہیں
کیا ہوگا دو گھڑی میں کسی کو خبر نہیں

اکثر ریاض کرتے ہیں پھُولوں پہ باغباں
ہے دن کی دھوپ رات کی شبنم انہیں گراں
لیکن جو رنگِ باغ بدلتا ہے ناگہاں
وہ گُل ہزار پردوں میں جاتے ہیں رائگاں

رکھتے ہیں جو عزیز انہیں اپنی جاں کی طرح
ملتے ہیں دستِ یاس وہ برگِ خزاں کی طرح
لیکن جو پھول کھِلتے ہیں صحرا میں بے شمار
موقوف کچھ ریاض پہ اُن کی نہیں بہار
دیکھو یہ قدرتِ چمن آرائے روزگار
وُہ ابر و باد و برف میں رہتے ہیں برقرار
ہوتا ہے اُن پہ فضل جو ربِ کریم کا
موجِ سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا
اپنی نگاہ ہے کرمِ کارساز پر
صحرا چمن بنے گا وُہ ہے مہرباں اگر
جنگل ہو یا پہاڑ، سفر ہو کہ ہو حضر
رہتا نہیں وہ حال سے بندے کے بے خبر
اس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں
دامانِ دشت، دامنِ مادر سے کم نہیں

برق

احتسابِ زندگی

بتا اے خاک کے پتلے کہ دنیا میں کیا کیا ہے
بتا کے دانت ہیں منہ میں ترے کھایا پیا کیا ہے
بتا خیرات کیا کی، راہِ مولا میں دیا کیا ہے
یہاں سے عاقبت کے واسطے توشہ لیا کیا ہے

دعائیں لیں کبھی ٹھنڈا کیا دل دردمندوں کا
بُرے حالوں میں تو شامل ہُوا محتاج بندوں کا
کسی گم کردہ رہ کی خضر بن کر رہنمائی کی
کسی کی ناخنِ تدبیر سے عقدہ کشائی کی
دمِ مشکل کسی مظلوم کی حاجت روائی کی
کسی کی دستگیری کی کسی سے کچھ بھلائی کی

کبھی کچھ کام بھی آیا کسی آفت رسیدہ کے
کبھی دامن سے پونچھے تو نے آنسو آبدیدہ کے

شریکِ دردوغم ہوکر کسی کا دُکھ مٹایا ہے
مصیبت میں کسی آفت زدہ کے کام آیا ہے
پرائی آگ میں پڑکر کبھی دل بھی جلایا ہے
کسی بیکس کی خاطر جان پر صدمہ اُٹھایا ہے
کبھی آنسو بہائے ہیں کسی کی بدنصیبی پر
کبھی کچھ ترس کھایا تُو نے مفلس کی غریبی پر
کبھی تُو نے کسی برگشتہ قسمت کی خبر لی ہے
کسی ماتم زدہ کی تُو نے دلجوئی کبھی کی ہے
کسی کے واسطے آفت میں اپنی جان ڈالی ہے
کسی بے خانماں کو وقت مشکل کچھ مدد دی ہے
کبھی کچھ دلنوازی کی ہے تُو نے دل شکستہ کی
کبھی کچھ چارہ فرمائی بھی کی زخمی وخستہ کی
کبھی امداد دی تُو نے کسی بیکس بچارے کو
سخی بن کر دیا کچھ تُو نے مفلس کے گذارے کو
تسلّی دی کبھی تُو نے کسی آفت کے مارے کو
کبھی تُو نے سہارا بھی دیا ہے بے سہارے کو

شریکِ دردِ دل ہو کر خبر لی بے نواؤں کی
لگی ہے چوٹ بھی دل پہ صدا سن کر گداؤں کی

مرقع عسرت و عشرت کا یہ نیرنگِ عالم ہے
کہیں ہے نغمۂ شادی کسی جا شورِ ماتم ہے
کوئی خنداں کوئی شاداں کوئی با دیدۂ نم ہے
دو رنگی ہے زمانہ کی کہیں شادی کہیں غم ہے

کبھی دورِ خزاں ہے اور کبھی فصلِ بہاری ہے
کبھی ہیں وصل کی راتیں کبھی اختر شماری ہے
ذرا تو سوچ اے غافل رہیگا شادماں کب تک
کریگا خون اپنے وقت کا نا قدرداں کب تک

ترے باغِ جوانی میں نہ آئے گی خزاں کب تک
رہے گا تیری قسمت سے موافق آسماں کب تک

رہے گا تا بکے مصروف دنیا کے جھمیلے میں
کہاں تک کھوئے گا عمرِ رواں پانی کے ریلے میں
نہ ہو تو عیش پہ نازاں دو روزہ ہے خوشی تیری
سرشکِ خوں رلائیگی یہ دم بھر کی ہنسی تیری

عبث ہے ہستئ موہوم سے دل بستگی تیری
رہینِ پنجۂ دستِ اجل ہے زندگی تیری
عبث ہے بیکسی پر اس قدر انداز مستانہ
چھلک جائیگا ہو کر عمر کا لبریز پیمانہ
فنا و زیست کا اک روز قصہ پاک ہونا ہے
اجل کے ہاتھ سے دامانِ ہستی چاک ہونا ہے
کبھی تو پائمالِ گردشِ افلاک ہونا ہے
کسی دن خاک میں ملنا ہے آخر خاک ہونا ہے
حباب آسا قرارِ زیست ہے دنیائے فانی میں
جو تجھ سے ہوسکے کر لے بھلائی زندگانی میں
نہ دولت ساتھ جائیگی نہ حشمت ساتھ جائیگی
نہ شوکت ساتھ جائیگی نہ رفعت ساتھ جائیگی
پس مردن نہ شاہانہ امارت ساتھ جائیگی
نہ عظمت ساتھ جائیگی نہ صولت ساتھ جائیگی
جو پوچھے جائیں گے محشر میں وہ اعمال ہیں تیرے
اگر کچھ ساتھ جائیں گے وہ نیک افعال ہیں تیرے

مناسب ہے کہ نیک اعمال کر طاعت گذاری کر
پسندیدہ طریقے سیکھ عجز و انکساری کر

بھلائی کر بدی سے باز آ پرہیز گاری کر
جو تجھ سے ہو سکے تو خلق کی خدمتگزاری کر

اگر نیکی کرے گا تو خدا اس کا ثمر دے گا
ترا دامن وہی اُمید کے پھولوں سے بھر دے گا

اقبال

نیا شوالہ

سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو بُرا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بُت ہو گئے پُرانے

اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے

تنگ آ کے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرّہ دیوتا ہے

آ، غیریت کے پردے اک بار پھر اُٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں، نقشِ دُوئی مٹا دیں

سونی پڑی ہوئی ہے مُدت سے دل کی بستی
آ، اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں

دُنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
دامانِ آسماں سے اس کا کلس ملا دیں

ہر صبح اُٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلا دیں

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

خوشی محمد ناظر

جوگی

کل صبح کے مطلع تاباں سے جب عالم بقعۂ نور ہُوا
سب چاند ستارے ماند ہُوئے خورشید کا نور ظہور ہُوا

مستانہ ہوائے گلشن تھی جانانہ ادائے گلبن تھی
ہر وادی وادیٔ ایمن تھی ہر کوہ پہ جلوہ طور ہوا
جب بادِ صبا مضراب بنی ہر شاخِ نہال رباب بنی
شمشاد و چنار ستار بنے ہر سرو و سمن طنبور ہوا
سب طائر مل کر گانے لگے عرفاں کی تانیں اُڑانے لگے
اشجار بھی وجد میں آنے لگے دلکش وہ سماع طیور ہوا
سبزے نے بساط بچھائی تھی اور بزمِ سرور سجائی تھی
بن میں، گلشن میں، آنگن میں، فرشِ سنجاب و سمور ہوا
تھا دلکش منظر دشت و جبل اور چالِ صبا کی مستانہ
اس حال میں ایک پہاڑی پر جانکلا ناظر دیوانہ
چیلوں نے جھنڈے گاڑے تھے، پربت پر چھاؤنی چھائی تھی
تھے خیمے ڈیرے بادل کے کہرے نے قنات لگائی تھی
یاں برف کے تودے گلتے تھے چاندی کے فوارے چلتے تھے
چشمے سیماب اُگلتے تھے، نالوں نے دھوم مچائی تھی
یاں قلّۂ کوہ پر رہتا تھا اک مست قلندر بیراگی
تھی راکھ جٹوں میں جوگی کے اور انگ بھبوت رمائی تھی

تھا راکھ کا جوگی کا بستر اور راکھ کا پیراہن تن پر
تھی ایک لنگوٹی زیب کمر جو گھٹنوں تک لٹکائی تھی
سب خلقِ خدا سے بیگانہ وہ مست قلندر دیوانہ
بیٹھا تھا جوگی مستانہ آنکھوں میں مستی چھائی تھی
جوگی سے آنکھیں چار ہوئیں اور جھک کر ہیں نے سلام کیا
تب آنکھ اُٹھا کر ناظر سے یُوں بن باسی نے کلام کیا
کیوں بابا ناحق جوگی کو، تم کس لئے آکے ستاتے ہو
ہیں پنکھ پکھیرو بن باسی تم جال میں آن پھنساتے ہو
کوئی جھگڑا دال چپاتی کا کوئی دعویٰ گھوڑے ہاتھی کا
کوئی شکوہ سنگی ساتھی کا تم ہم کو آکے سُناتے ہو
ہم حرص و ہوا کو چھوڑ چکے اس نگری سے مُنہ موڑ چکے
ہم جو زنجیریں توڑ چکے، تم لا کے وہی پہناتے ہو
تم پُوجا کرتے ہو دھن کی، ہم سیوا کرتے ہیں ساجن کی
ہم جوت لگاتے ہیں من کی تم اس کو آکے بجھاتے ہو
سنسار سے یاں مکھ پھیرا ہے من میں ساجن کا ڈیرا ہے
یاں آنکھ لڑائی ہے پیتم سے تم کس سے آنکھ ملاتے ہو

اس مست قلندر جوگی نے جب ناظرؔ پہ یہ عتاب کیا
کچھ دیر تو ہم خاموش رہے، پھر جوگی سے یہ خطاب کیا
ہم ہیں پردیسی سیلانی مت ناحق طیش میں آ جوگی
ہم آئے تھے تیرے درشن کو، چتون پر میل نہ لا جوگی
آبادی سے منہ پھیرا کیوں، پربت میں کیا ہے ڈیرا کیوں
ہر محفل میں ہر منزل میں ہر دل میں ہے نورِ خدا جوگی
کیا مندر میں کیا مسجد میں سب جلوہ ہے وجہ اللہ کا
پربت میں نگر میں ساغر میں، ہر اُترا ہے ہر جا جوگی
جی شہر میں خوب بہلتا ہے، واں حُسن پہ عشق مچلتا ہے
واں پریم کا ساغر چلتا ہے، چل دل کی پیاس بجھا جوگی
واں دل کا غنچہ کھِلتا ہے، ہر رنگ میں موہن ملتا ہے
چل شہر میں سنکھ بجا جوگی، بازار میں دھُونی رما جوگی
اِن چکنی چپُڑی باتوں سے مت جوگی کو پھُسلا بابا
جو آگ بجھائی جتنوں سے، مت اُس پر تیل گرا بابا
ہے شہروں میں غُل شور بہت، اور ہوس و ہوا کا زور بہت
بستے ہیں نگر میں چور بہت، سادھوں کی ہے بن میں جا بابا

ہے شہر میں شورش نفسانی، جنگل میں ہے جلوہ روحانی
ہے نگری ڈگری کثرت کی، بن وحدت کا دریا بابا
ہم جنگل کے پھل کھاتے ہیں، چشموں سے پیاس بجھاتے ہیں
راجہ کے نہ دوارے جاتے ہیں، پرجا کی نہیں پروا بابا
سر پر آکاش کا منڈل ہے، دھرتی پہ سہانی مخمل ہے
دن کو سورج کی محفل ہے، شب کو تاروں کی سبھا بابا
جب جھوم کے یاں گھن آتے ہیں، مستی کا رنگ جماتے ہیں
چشمے طنبور بجاتے ہیں، گاتی ہے ملار ہوا بابا
یاں پنچھی مل کر گاتے ہیں، پیتم کے سندیس سناتے ہیں
یاں روپ انوپ دکھاتے ہیں، پھل پھول اور برگ و گیا بابا
ہے پیٹ کا ہر دم دھیان تمہیں اور یاد نہیں بھگوان تمہیں
سل پتھر اینٹ مکان تمہیں دیتے ہیں سکھ سے چھڑا بابا
تن من کو دھن میں لگاتے ہو، پیتم کو دل سے بھلاتے ہو
ماٹی میں لعل گنواتے ہو، تم بندۂ حرص و ہوا بابا
دھن دولت آنی جانی ہے، یہ دنیا رام کہانی ہے
یہ عالم عالم فانی ہے، باقی ہے ذات خدا بابا

محرومؔ

نورجہاں کا مزار

دن کو بھی یہاں شب کی سیاہی کا سماں ہے
کہتے ہیں یہ آرام گہِ نورِ جہاں ہے
مدت ہوئی وہ شمع تہِ خاک نہاں ہے
اٹھتا مگر اب تک سرِ مرقد سے دھواں ہے

جلوؤں سے عیاں جن کے ہوا طور کا عالم
تربت پہ ہے ان کی شبِ دیجور کا عالم

اے حسنِ جہاں سوز! کہاں ہیں وہ شرارے
کس باغ کے گل ہو گئے؟ کس عرش کے تارے
کیا بن گئے اب کرمکِ شب تاب وہ سارے
ہر شام چمکتے ہیں جو راوی کے کنارے
یا ہو گئے وہ داغ جہانگیر کے دل کے
قابل ہی تو تھے عاشقِ دلگیر کے دل کے

تجھ سی ملکہ کے لئے یہ بارہ دری ہے
غالیچہ سرِ فرش ہے کوئی نہ دری ہے
کیا عالمِ بے چارگی اے تاجوری ہے
دن کو یہیں بسرام، یہیں شب بسری ہے
ایسی کسی جوگن کی بھی کُٹیا نہیں ہوتی
ہوتی ہو، مگر یوں سرِ صحرا نہیں ہوتی

تعویذِ لحد ہے زبر و زیر، یہ اندھیر!
یہ دورِ زمانہ کے اُلٹ پھیر، یہ اندھیر!
آنگن میں پڑے گرد کے ہیں ڈھیر، یہ اندھیر
اے گردشِ ایّام، یہ اندھیر، یہ اندھیر
ماہِ فلکِ حُسن کو یہ بُرج مِلا ہے
اے چرخ ترے حُسنِ نوازش کا گِلا ہے

حسرت ہے ٹپکتی در و دیوار سے کیا کیا
ہوتا ہے اثر دل پہ ان آثار سے کیا کیا
نالے ہیں نکلتے دلِ افگار سے کیا کیا
اُٹھتے ہیں شرر آہِ شرربار سے کیا کیا
یہ عالمِ تنہائی یہ دریا کا کنارا
ہے تجھ سی حسینہ کے لئے ہُو کا نظارا

چوپائے جو گھبراتے ہیں گرمی سے تو اکثر
آرام لیا کرتے ہیں اس روضے میں آکر
اور شام کو بالائے سیہ خانوں سے شپّر
اڑ اڑ کے لگاتے ہیں در و بام پہ چکّر
معمور ہے یوں محفلِ جانانہ کسی کی
آباد رہے گورِ غریبانہ کسی کی

آراستہ جن کے لئے گلزار و چمن تھے
جو نازکی میں داغ دہِ برگِ سمن تھے
جو گلرُخ و گل پیرہن و غنچہ دہن تھے
شاداب گُلِ تر سے کہیں جن کے بدن تھے
پژمردہ وہ گُل دب کے ہوئے خاک کے نیچے
خوابیدہ ہیں خار و خس و خاشاک کے نیچے

رہنے کے لئے دیدہ و دل جن کے مکاں تھے
جو پیکرِ ہستی کے لئے رُوحِ رواں تھے
محبوبِ دلِ خلق تھے، جاں بخشِ جہاں تھے
تھے یوسفِ ثانی، کہ مسیحائے زماں تھے
جو کچھ تھے کبھی تھے، مگر اب کچھ بھی نہیں ہیں
ٹوٹے ہوئے پنجر سے پڑے زیرِ زمیں ہیں

دنیا کا یہ انجام ہے دیکھ اے دلِ ناداں
ہاں بھول نہ جائے تجھے یہ مدفنِ ویراں
باقی ہیں نہ وہ باغ نہ وہ قصر نہ ایواں
آرام کے اسباب نہ وہ عیش کے ساماں
ٹوٹا ہوا اک ساحلِ راوی پہ مکاں ہے
دن کو بھی جہاں شب کی سیاہی کا سماں ہے

(۲)

ترانۂ بیداری

وقت سحر ہے سونے والو — دھیان کدھر ہے سونے والو
جاگو نیند کے اے متوالو — لطف سحر کو کھونے والو
جاگ اٹھا ہے پتّہ پتّہ — غفلت کیسی سونا کیسا
بادِ سحر کے جھونکے آئے — نکہتِ تر کے جھونکے آئے
جاگو پہلو بدل کر دیکھو — اٹھو آنکھیں مل کر دیکھو

صلّے علیٰ یہ نور کا عالم
ہر ذرّے پر طور کا عالم

تازہ نوا مرغانِ چمن ہیں
نغمے جن کے جانِ چمن ہیں

میٹھی بولی بول رہے ہیں
اُڑنے کو پر کھول رہے ہیں

وجد میں ہیں سب آتے جاتے
حمدِ خدا کے گیت ہیں گاتے

گلشن میں جو نہر ہے جاری
کرتی ہے سجدۂ خالق باری

نخل کھڑے ہیں سر کو جھکائے
دستِ دُعا شاخوں نے اُٹھائے

محوِ یادِ خدا ہے سبزہ
سر بسجود پڑا ہے سبزہ

شاخ پہ بلبل زمزمہ خواں ہے
خاک پہ سنبل سجدہ کناں ہے

جاگو یادِ خدا کی گھڑی ہے
وقتِ نماز، دُعا کی گھڑی ہے

شور اُٹھا ناقوس و اذاں کا
وقت نہیں یہ خوابِ گراں کا

عابد شیخ برہمن جاگے
جانب مسجد مندر بھاگے

عارف زاہد اور پجاری
نیند نہیں ہے جن کو پیاری

نیند سے پیاری یادِ خدا ہے
یادِ خدا میں جن کو مزا ہے

محفلِ راز میں جا کر بیٹھے
دل کو جہاں سے اُٹھا کر بیٹھے

کیونکہ یہ عالم دارِ فنا ہے — اس میں سدا کب کوئی رہا ہے
تُو ہے مسافر اس دنیا میں — جیسے رہرو اُترے سرا میں
وقتِ سحر گر رہرو سوئے — غفلت میں گر وقت کو کھوئے
چلنے سے ہو گر وہ غافل — کھوٹی کرے گا اپنی منزل

تجھ کو بھی درپیش سفر ہے
جاگ اُٹھ جاگ اُٹھ وقتِ سحر ہے

مثنوی

میر حسن دہلوی

انتخاب از مثنوی سحر البیان

توحید

کروں پہلے توحید یزداں رقم
جھکا جس کے سجدے کو اول قلم
سرِ لوح پر رکھ بیاضِ جبیں
کہا دوسرا کوئی تجھ سا نہیں

قلم پھر شہادت کی اُنگلی اُٹھا
ہُوا حرف زن یوں کہ رب العلا
نہیں تیرا کوئی نہ ہوگا شریک
تری ذات ہے وحدہٗ لاشریک

پرستش کے قابل ہے تو اے کریم
کہ ہے ذات تیری غفور و رحیم

رہِ حمد میں تیری عز و جل
تجھے سجدہ کرتا چلوں سر سے بل

وہ الحق کہ ایسا ہی معبود ہے
قلم جو لکھے اس سے اوس سے افزود ہے

تر و تازہ ہے اوس سے گلزار خلق
وہ ابرِ کرم ہے ہوا دار خلق

اگرچہ وہ بے فکر و غیور ہے
ولے پرورش سب کی منظور ہے

کسی سے نہ بر آوے کچھ کام جان
جو وہ مہرباں ہے تو کل مہربان

قلم گو زباں لاوے اپنی ہزار
لکھے کس طرح حمد پروردگار

اس عہدے سے کوئی بھی نکلا نہیں
سوا عجز در پیش یاں کچھ نہیں

داستان

کسی شہر میں تھا کوئی بادشاہ
کہ تھا وہ شہنشاہِ گیتی پناہ
بہت حشمت و جاہ و مال و منال
بہت فوج سے اپنی فرخندہ حال
کئی بادشاہ اوس کو دیتے تھے باج
خطا و ختن سے وہ لیتا خراج
کوئی دیکھتا آ کے جب اوس کی فوج
تو کہتا کہ ہے بحر ہستی کی موج
رعیّت تھی آسودہ و بے خطر
نہ غم مفلسی کا نہ چوری کا ڈر
کہاں تک کہوں اوس کا جاہ و حشم
محل و مکاں اوس کا رشکِ ارم
کسی طرح کا وہ نہ رکھتا تھا غم
مگر ایک اولاد کا تھا الم

اسی بات کا اوس کے تھا دل پہ داغ
نہ رکھتا تھا وہ اپنے دل کا چراغ

خدا پر زبس اوس کو تھا اعتقاد
لگا مانگنے اپنے حق سے مراد

سحابِ کرم نے کیا جو اثر
ہوئی کشتِ اُمید کی بارور

عجب صاحبِ حسن پیدا ہوا
جسے مہر و ماہ دیکھ شیدا ہوا

ہُوا وہ جو اوس شکل سے دلپذیر
رکھا نام اُس کا شہِ بے نظیر

خواصوں نے خواجہ سراؤں نے جا
کئی نذریں گذرانیاں، اور کہا

مبارک تجھے اے شہِ نیک بخت
کہ پیدا ہوا وارثِ تاج و تخت

یہ سنتے ہی مژدہ بچھا جا نماز
کئے لاکھ سجدے کہ اے بے نیاز

تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار
نہ ہو تجھ سے مایوس اُمیدوار

دوگانہ غرض شکر کا کر ادا
تہیّہ کیا شاہ نے جشن کا

خوشی سے کیا یاں تلک زر نثار
جسے ایک دینا تھا بخشے ہزار

محل میں جو دیکھا تو اک ازدحام
مبارک سلامت کی تھی دھوم دھام

پری پیکروں کا ہر اک جا ہجوم
وہاں بھی پڑی عیش و عشرت کی دھوم

چھٹی تک غرض تھی خوشی کی ہی بات
کہ دن عید اور رات تھی شب برات

بڑھے ابر ہی ابر میں جوں ھلال
محل میں لگا پلنے وہ نونہال

پلا جب وہ اس نازونعمت کے ساتھ
پدر اور مادر کی شفقت کے ساتھ

ہوئی اوس کی مکتب کی شادی عیاں
ہوا پھر اونہیں شادیوں کا سماں

معلم اتالیق منشی ادیب
ہر اک فن کے استاد بیٹھے قریب

کیا قاعدے سے شروع کلام
پڑھانے لگے علم اوس کو تمام

دیا تھا زبس حق نے ذہن رسا
کئی سال میں علم سب پڑھ چکا

داستان سواری

پڑی جب گرہ بارہویں سال کی
کھلی گلچھڑی غم کے جنجال کی

کہا شہ نے بلوا نقیبوں کو شام
کہ ہوں صبح حاضر سبھی خاص و عام

سواری تکلف سے تیار ہو
مہیا کریں جو کہ درکار ہو

کریں شہر کو مل کے آئینہ بند
سواری کا ہو لطف جس سے دوچند

رعیت کے خوش ہوں صغیر و کبیر
کہ نکلے گا کل شہر میں بے نظیر

خوشی میں گئی جلد جو شب گذر
ہوئی سامنے سے نمایاں سحر

کہا شاہ نے اپنے فرزند کو
کہ بابا نہا دھو کے تیار ہو

داستان حمام

ہوا جب کہ داخل وُہ حمام میں
عرق آ گیا اس کے اندام میں

نہانے میں یوں تھی بدن کی دمک
برسنے میں بجلی کی جیسے چمک

گیا حوض میں جب شہِ بے نظیر
پڑا آب میں عکس بدرِ منیر

وہ گورا بدن اور بال اس کے تر
کہے تو کہ ساون کی شام و سحر
نہا دھو کے نکلا وہ گُل اس طرح
کہ بدلی سے نکلے ہے مہ جس طرح
غرض شاہزادے کو نہلا دُھلا
دیا خلعتِ خسروانہ پہنا
جواہر سراسر پہنایا اوسے
جواہر کا دریا بنایا اوسے
جواہر کا تن پر عجب تھا ظہور
کہ اک اِک عدو اُس کا تھا کوہ نور
غرض ہو کے اس طرح آراستہ
خراماں ہُوا سروِ نو خاستہ
نکل گھر سے جس دم ہُوا وہ سوار
کئے خوان گوہر کے اُس پر نثار
زبس تھا سواری کا باہر ہجُوم
ہُوا جبکہ ڈنکا پڑی سب میں دھوم

برابر برابر کھڑے تھے سوار
ہزاروں ہی تھی ہاتھیوں کی قطار

رعیت کی کثرت ہجوم سپاہ
گذرتی تھی رُک رُک کے ہر جا نگاہ

ہوئے جمع کوٹھوں پہ جوں مرد و زن
ہر اک سطح تھا جوں زمینِ چمن

زبس شاہزادہ بہت تھا حسین
ہوئے دیکھ عاشق کہین و مہین

نظر جس کو آیا وہ ماہِ تمام
کیا اُس نے جُھک جُھک کے اوس کو سلام

غرض شہر سے باہر اک سمت کو
کوئی باغ تھا شاہ کا اوس میں سے ہو

گھڑی چار تک خوب سی سیر کر
رعیت کو دکھلا کے اپنا پسر

اوسی کثرتِ فوج سے ہو سوار
پھرا شہر کی طرف وہ شہریار

سواری کو پہنچا گئی فوج اُدھر
گئے اپنی منزل میں شمس و قمر

قضارا وُہ شب تھی شبِ چاردہ
پڑا جلوہ لیتا تھا ہر طرف مہ

نظارے سے تھا اُس کے دل کو سُرور
عجب عالم نُور کا تھا ظہُور

عجب لُطف تھا سیرِ مہتاب کا
کہے تو کہ دریا تھا سیماب کا

ہُوا شاہزادے کا دل بیقرار
یہ دیکھی جو واں چاندنی کی بہار

کچھ آئی جو اُس مہ کے جی میں ترنگ
کہا آج کوٹھے پہ بچھے پلنگ

داستان شہزادے کے کوٹھے پر سونے کی

زبس نیند میں تھا جو وُہ ہو رہا
بچھونے پہ آتے ہی وُہ سو رہا

وُہ پھولوں کی خوشبُو وہ سُتھرا پلنگ
جوانی کی نیند اور وہ سونے کا رنگ

جہاں تک کہ چوکی کے تھے باری دار
ہوا جو چلی سو گئے ایک بار

غرض سب کو واں عالمِ خواب تھا
مگر جاگتا ایک مہتاب تھا

قضا را ہُوا اِک پری کا گُذر
پڑی شاہزادے پہ اوس کی نظر

بھبوکا سا دیکھا جو اوس کا بدن
جلا آتشِ عشق سے اوس کا تن

ہُوئی لاکھ جی سے وُہ اوس پر نثار
وہ تخت اپنا لائی ہوا سے اوتار

محبّت کی آئی جو دل میں ہوا
وہاں سے اوسے لے اُڑی دِلرُبا

ہُوا جب زمیں سے وُہ شعلہ بلند
ہوا میں ستارہ سا چمکا دوچند

غرض لے گئی آن کی آن میں
اوڑاکر وُہ اوس کو پرستان میں

داستان پرستان

اوڑی وُہ پری واں سے لیکر اوسے
اوتارا پرستاں کے اندر اوسے

وہاں ایک تھا سیر کا اوس کے باغ
کہ جس کے گلوں سے ہو تازہ دماغ

رکھا شاہزادے کا اوس میں پلنگ
کھلا حسن سے اوس کے بنگلے کا رنگ

یہاں کا تو قصہ میں چھوڑا یہاں
ذرا اب سنو غمزدوں کا بیاں

کھلی آنکھ جو ایک کی واں کہیں
تو دیکھا کہ وہ شاہزادہ نہیں

کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی
کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگی

کوئی بلبلاتی سی پھرنے لگی
کوئی ضعف کھا کھا کے گرنے لگی

کوئی سر پہ رکھے ہاتھ دلگیر ہو
گئی بیٹھ ماتم کی تصویر ہو

کوئی رکھ کے زیر زنخداں چھڑی
رہی نرگس آسا کھڑی کی کھڑی

رہی کوئی انگلی کو دانتوں میں داب
کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب

کسی نے دیئے کھول سنبل سے بال
طمانچوں سے جوں گل کئے سرخ گال

نہ بن آئی کچھ اون کو اس کے سوا
کہ کہئے یہ احوال اب شہ سے جا

سُنی شہ نے القصہ جب یہ خبر
گرا خاک پر کہہ کے ہائے پسر

کہا شہ کہ واں کا مجھے دو پتا
عزیزو جہاں سے وہ یوسف گیا

گیئیں لے وہ شہ کو لب بام پر
دکھایا کہ سویا تھا وہ سیم بر

یہی تھی جگہ وہ جہاں سے گیا
کہا ہائے بیٹا تو یاں سے گیا

عجب بحر غم میں ڈبویا مجھے
غرض جان سے تونے کھویا مجھے

کہوں اس قیامت کا کیا میں بیاں
ترقی میں ہر دم تھا شور و فغاں

وزیروں نے دیکھا جو احوال شاہ
کہ ہوتی ہے اب اس کی حالت تباہ

کہا گو جدائی گوارا نہیں
ولیکن جدائی سے چارا نہیں

خدا جانے اب اس میں کیا بھید ہے
یہ کہتے ہیں جیتوں کو امید ہے

خدا کی خدائی تو معمور ہے
غرض اوس کے نزدیک کیا دور ہے

یہ کہہ اودشہ کو بیٹھا تخت پر
بہر نوع رہنے لگے یک دگر

لُٹا یا بہت باپ نے مال و زر
و لیکن نہ پائی کچھ اوس کی خبر

نہ پائی کہیں یاں تو اوس گُل کی بُو
کروں اب پرستان میں جستجو

قضا را کھُلی آنکھ اوس گُل کی جو
نہ پائی وہاں شہر کی اپنے . بو

نہ وہ لوگ دیکھے نہ وہ اپنی جا
تعجب سے ایک ایک کو تکتا رہا

اچنبھے کا یہ خواب دیکھا جو واں
لگا کہنے یارب میں آیا کہاں

قصائد

محسنؔ کاکوروی

بادل کا بیان

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل

خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن سے ابھی
کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل

کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل

نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی
پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل

تہ و بالا کئے دیتے ہیں ہوا کے جھونکے
بیڑے بھادوں کے نکلتے ہیں بھرے گنگا جل

کبھی ڈوبی کبھی اچھلی مہِ نو کی کشتی
بحرِ اخضر میں تلاطم سے مچی ہے ہلچل

قمریاں کہتی ہیں طوبیٰ سے "مزاج عالی"
لالۂ باغ سے ہندوئے فلک کھیم کسل

شب دیجور اندھیرے میں ہے ظلمت کے نہاں
لیلیٰ محمل میں ہے ڈالے ہوئے منہ پہ آنچل

جوگیا بھیس کئے چرخ لگائے ہے بھبوت
یا کہ بیراگی ہے پربت پہ بچھائے کمل

وہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع
گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈھے اسے لے کر مشعل

آتش گل کا دھواں، بام فلک تک پہنچا
جم گیا منزلِ خورشید کی چھت میں کاجل

شاخِ شمشاد پہ قمری سے کہو چھیڑے ملار
نونہالانِ گلستاں کو سنائے یہ غزل

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
تیرتا ہے کبھی گنگا کبھی جمنا بادل
شاہدِ گل کا لئے ساتھ ہے ڈولا بادل
برق کہتی ہے مبارک تجھے سہرا بادل
سطحِ افلاک نظر آتی ہے گنگا جمنی
رُوپ بجلی کا سنہرا ہے رو پہلا بادل
جب تلک برج میں جمنا ہے یہ کھلنے کا نہیں
ہے قسم کھائے اٹھائے ہوئے گنگا بادل
دیکھتا گر کہیں محسنؔ کی فغان و زاری
نہ گرجتا کبھی ایسا نہ برستا بادل

(انتخاب از مدیح خیر المرسلین)

غالب

آم کی تعریف

ہاں دلِ دردمندِ زمزمہ ساز
کیوں نہ کھولے درِ خزینۂ راز

خامہ کا صفحہ پر رواں ہونا
شاخِ گل کا ہے گلفشاں ہونا

مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھیے
نکتہ ہائے خرد فزا لکھیے

بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
خامہ نخلِ رطب فشاں ہو جائے

آم کا کون مردِ میداں ہے
ثمر و شاخ گوے و چوگاں ہے

تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں
آئے یہ گوے اور یہ میداں

آم کے آگے پیش جاوے خاک
پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک

نہ چلا جب کسی طرح مقدور
بادۂ ناب بن گیا انگور

یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے
شرم سے پانی پانی ہونا ہے

مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے
آم کے آگے نیشکر کیا ہے

نہ گُل اس میں نہ شاخ و برگ نہ بار
جب خزاں آئے تب ہو اس کی بہار

اور دوڑائیے قیاس کہاں
جانِ شیریں میں یہ مٹھاس کہاں

نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر
کہ دواخانۂ ازل میں مگر

آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام
شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام

یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے
باغبانوں نے باغِ جنت سے

انگبیں کے بہ حکم رب النّاس
بھر کے بھیجے ہیں سر بہ مہر گلاس

یا خضر نے لگا کے شاخِ نبات
مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات

تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل
ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل

رونق کارگاہِ برگ و نوا
نازشِ دودمانِ آب و ہوا

رہروِ راہِ خلد کا توشہ
طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ

صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم
ناز پروردہ بہار ہے آم

مراثی

انیسؔ

مناجات

یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر
اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبداء ہے توجہ کوئی دم کر
گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیم سخن میرے قلمرو سے نہ جائے

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گذاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری
پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری

وہ گل ہوں عنایت چمنِ طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بُو کو

غواصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی
ہو جن کی جگہ تاج سرِ عرش پہ خالی

ایک ایک لڑی نظمِ ثریا سے ہو عالی
عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی

سب ہوں دُرِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر اُن کی یہ ہوں گے جنہیں رشتہ ہے نبی سے

بھر دے دُرِ مقصود سے اس دُرجِ دہاں کو
دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو

آگاہ کر انداز تکلم سے زباں کو
عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حسن زباں کو

تحسیں کا سمٰوات سے غل تا بہ سمک ہو
ہر گوشہ بنے کانِ ملاحت وہ نمک ہو

ساقی کے کرم سے ہو وہ دور اور چلے جام
جس سے عوض نشہ ہو کیفیت انجام

ہر مست فراموش کرے گردش ایام
صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام

ہاں بادہ کشو پوچھ لو میخانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آ گئی ہے خلد بریں سے

غالبؔ

مرثیہ عارف

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

تم ماہِ شب چار دہم تھے مرے گھر کے
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور

تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

مجھ سے تمہیں نفرت سہی نیّر سے لڑائی
بچّوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

گزری نہ بہر حال یہ مدّت خوش و ناخوش
کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور

ناداں ہیں جو کہتے ہیں کہ کیوں جیتے ہو غالبؔ
قسمت میں ہے مرنے کی تمنّا کوئی دن اور

قطعات

میرؔ

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دِلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اُس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اُسی اُجڑے دیار کے

غالب

آمدِ بہار

پھر اس انداز سے بہار آئی
کہ ہُوئے مہر و مہ تماشائی

دیکھو اے ساکنانِ خطّۂ خاک
اس کو کہتے ہیں عالم آرائی

کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر
روکشِ سطحِ چرخِ مینائی

سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا رُوئے آب پر کائی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے
چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
بادہ نوشی ہے باد پیمائی

اکبرؔ الہ آبادی

(۱)

پری کی زلف میں اُلجھا نہ ریشِ واعظ میں
دلِ غریب ہُوا لقمہ امتحانوں کا
وُہ حافظہ جو مناسب تھا ایشیا کے لئے
خزانہ بن گیا یورپ کی داستانوں کا

(۲)

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبرؔ زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پُوچھا جو اُن سے آپ کا پردہ وہ کیا ہُوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کے پڑ گیا

مہرؔ

وہ چال چل کہ عُمر خوشی سے کٹے تری
وہ کام کر کہ یاد تجھے سب کیا کریں
گر تیرا ذکر ہو تو ہو وہ ذکرِ خیر مہرؔ
گر تیرا نام لیں تو ادب سے لیا کریں

فراقؔ گورکھپوری

آج بھی کام محبت کے بہت نازک ہیں
دل وہی کار گہِ شیشہ گراں ہے کہ جو تھا
ظلمت و نور میں کچھ بھی نہ محبت کو ملا
آج تک ایک دھندلکے کا سماں ہے کہ جو تھا
منزلیں گرد کی مانند اُڑی جاتی ہیں
وہی اندازِ جہانِ گذراں ہے کہ جو تھا

رُباعیات

درد

(۱)

مُدت تئیں باغ و بوستاں کو دیکھا
یعنی کہ بہار اور خزاں کو دیکھا
جُوں آئینہ کب تلک پریشاں نظری
اب موُندیئے آنکھ بس جہاں کو دیکھا

(۲)

جب سے توحید کا سبق پڑھتا ہُوں
ہر حرف میں کتنے ہی ورق پڑھتا ہُوں
اس علم کی انتہا سمجھنا آگے
اے دردؔ ابھی تو نامِ حق پڑھتا ہُوں

(۳)

اے دردؔ بہت کیا پر یکھا ہم نے
دیکھا تو عجب جہاں کا لیکھا ہم نے
بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کچھ
جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے

(۴)

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی
اے دردؔ کہاں ہے زندگانی اپنی
کل اور کوئی بیاں کرے گا اس کو
کہتے ہیں اب آپ ہم کہانی اپنی

انیسؔ

(۱)

گلشن میں پھروں کہ سیرِ صحرا دیکھوں
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

(۲)

کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہے
پیری میں بہ شکلِ نوجواں پھرتا ہے
عرصہ ہے جہاں کا اس قدر تنگ و حقیر
خم ہو کے زمیں پہ آسماں پھرتا ہے

(۳)

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا اپنی آپ
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

(۴)

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے
اس باغ سے کیا کیا گلِ رعنا نہ گئے
تھا کون سا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں
وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

حالیؔ

(۱)

تیمور نے اِک مورچہ زیرِ دیوار
دیکھا کہ چڑھا دانہ کو لے کر سو بار
آخر سرِ بام لے کے پہنچا تو کہا
"مشکل نہیں کوئی پیشِ ہمت دشوار"

(۲)

ہے جان کے ساتھ کام انساں کے لئے
بنتی نہیں زندگی ہیں بے کام گئے
جیتے ہو تو کچھ کیجئے زندوں کی طرح
مُردوں کی طرح جئے تو کیا خاک جئے

(۳)

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے
ہر قہقہہ پیغامِ بُکا ہوتا ہے
جس قوم کو عیش دوست پاتا ہوں میں
کہتا ہوں کہ اب دیکھیے کیا ہوتا ہے

اکبرؔ الٰہ آبادی

(۱)

خاطر مضبوط دل توانا رکھو
اُمید اچھی خیال اچھا رکھو
ہو جائیں گی مشکلیں تمہاری آساں
اکبرؔ اللہ پہ بھروسا رکھو

(۲)

دُنیائے دَنی محلِّ آفات بھی ہے
فکرِ روزی مخلِّ اوقات بھی ہے
طرّہ پھر اس پہ یہ کہ مرنا بھی ضرور
جیتا رہے آدمی تو اک بات بھی ہے

(۳)

تعلیم بھی پائی سب کے پیارے بھی ہوئے
دنیا کو بھی خوش کیا ہمارے بھی ہوئے
لیکن جو یہ نورِ طبع پایا نہ گیا
پھر کیا تم عرش کے جو تارے بھی ہوئے

مِہر

(۱)

کیوں کہتا ہے ہر چیز کو تو میری ہے
اے مہرؔ نہ میری ہے نہ یہ تیری ہے
دُنیا سے چلا جانا ہے اِک دن اس طرح
گویا کہ کسی فقیر کی پھیری ہے

(۲)

جس طرح سے مہر چھوڑ کر رختِ کہن
کر لیتے ہیں ہم جامۂ نو زیبِ بدن
کرتی ہے حلول اور جسموں میں رُوح
ہو جاتا ہے کہنہ جبکہ یہ جامۂ تن

(۳)

ہر شے میں جمالِ دِلرُبا کو دیکھا
ہر چیز میں شانِ کبریا کو دیکھا
مخلوق میں خالق نظر آیا جس کو
اس دیکھنے والے نے خدا کو دیکھا

محرومؔ

(۱)

فریاد ہے کس لئے درِ یزداں پر
الزام تراشتے ہو کیوں شیطاں پر
یزداں نے کئے کبھی نہ شیطاں نے کئے
انساں نے کئے ہیں جو ستم انساں پر

(۲)

ہے رحم و کرم سے آج بیزار انساں
انساں سے ہے خود برسرِ پیکار انساں
دُنیا کو بنا دیا ہے دوزخ اس نے
کس مُنہ سے ہے جنّت کا طلبگار انساں

فراقؔ

(۱)

ناشاد کِسے کہتے ہیں اور شاد کِسے
مجبُور کِسے کہتے ہیں آزاد کِسے
اِک دل ہے کہ سو بھیس بدلتا ہے فراقؔ
برباد کِسے کہتے ہیں آباد کِسے

(۲)

ہر سمت خموشی کا سماں ہوتا ہے
عالم ہے کہ بے لاگ پڑا سوتا ہے
اے دوست مگر رات کے سنّاٹے میں
لے لے کے ترا نام کوئی روتا ہے

شعرائے کرام

کا

مختصر تعارف

درد

آپکا نام خواجہ میر تھا۔ اور درد تخلص۔ آپ کی ولادت ۱۱۳۳ سنہ میں دہلی کے ایک معزز خاندان میں ہوئی۔ آپ مختلف مذہبی علوم اور تصوف میں کامل دستگاہ رکھتے تھے آپ کو موسیقی میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ خودار اور آزادانہ طبیعت کے مالک تھے صوفی تھے۔ کلام میں بھی تصوف کا رنگ غالب ہے۔ آپ نے جو کچھ کہا ہے۔ اس میں درد اور اثر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ آپ کا دیوان مختصر ہے لیکن اسی کی بدولت اُردو شاعری میں آپ کا مرتبہ نہایت بلند ہے۔

آپ کی تصانیف میں اُردو اور فارسی کے دیوان کے علاوہ کچھ رسالے بھی ہیں۔ آپ کا انتقال دہلی میں ۱۱۹۹ سنہ میں ہوا۔

میر حسن

میر غلام حسن آپ کا نام تھا۔ اور حسن تخلص تھا۔ آپ کی پیدائش

سنہ ۱۱۴۰ ہجری میں دہلی میں ہوئی۔ دہلی کی بربادی کے بعد آپ فیض آباد گئے۔ فیض آباد کی جگہ جب لکھنؤ دارالحکومت قرار دیا گیا۔ تو آپ بھی لکھنؤ تشریف لے گئے۔

آپ نے دیگر اصناف شعر کو بھی اظہار خیال کا ذریعہ بنایا۔ لیکن سب سے زیادہ کمال اور شہرت آپ کی مثنوی کو حاصل ہوئی۔ آپ کا کلام تصنع سے پاک ہے۔ الفاظ سلیس ہیں۔ اور اسلوب بیان میں فطری سادگی ہے آپ اپنے اشعار میں جذبات کی صحیح نمائندگی اور وقت اور حالات کی حقیقی منظر کشی کرتے ہیں۔

شعرائے اردو کا ایک تذکرہ دس مثنویاں اور ایک دیوان آپ کی تصنیف ہیں۔ آپ کا انتقال لکھنؤ میں سنہ ۱۲۱۰ھ میں ہوا۔

میر

آپ کا نام میر تقی تھا۔ میر تخلص تھا۔ آپ اکبر آباد میں سنہ ۱۱۳۷ ہجری میں پیدا ہوئے۔ والد کی وفات کے بعد آپ نے دہلی کو اپنا وطن بنایا۔ دہلی کی بربادی کے بعد آپ لکھنؤ آئے۔ آپ کی ساری زندگی درد وغم کی ایک لمبی داستان رہی۔ اس دکھ سے اور دل کی جگ بیتی

کے مقابلے میں میر کا کلام ان کی آپ بیتی ہے۔ آپ کو اردو کا خدائے سخن کہا جاتا ہے۔ اردو کے عظیم مرتبہ شعرا نے آپ کی استادی کا اعتراف کیا ہے۔ آپ کا کلام سادگی اور فصاحت میں اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کے اشعار مایوسی اور درد کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ اور جادو کا سا اثر رکھتے ہیں۔

متعدد مثنویوں اور دیگر تصانیف کے علاوہ اردو کے چھ دیوان آپ کی یادگار ہیں۔ آپ کی وفات ۱۲۲۵ھ میں ہوئی۔

اِنشا

آپ کا نام سید انشاء اللہ خان اور تخلص اِنشا تھا۔ آپ مرشد آباد میں پیدا ہوئے۔ عہد شباب میں دہلی آ کر کچھ دیر تک شاہ عالم کے دربار سے وابستہ رہے۔ پھر وہاں سے آپ لکھنو آئے۔ یہاں آپ نے نواب سعادت علی خان کے ہاں اپنی حاضر جوابی اور لطیف ظرافت کی بدولت بہت عروج و اقتدار حاصل کیا۔ بعد میں اسی شوخی اور بذلہ سنجی کے باعث ہی نواب موصوف کے عتاب کا شکار ہوئے۔ آپ کی زندگی کا آخری دور اندوہناک کیفیت میں گذرا۔

انشا کی طبیعت کی شوخی اور بذلہ سنجی اُن کے کلام میں عیاں ہے۔

کلیات کے علاوہ فارسی میں اُردو قواعد پر لکھی ہوئی کتاب دریائے لطافت اور ٹھیٹھ ہندی میں لکھی ہوئی "رانی کیتکی کی کہانی" آپ کی یادگار ہیں۔ آپ ۱۲۳۳ھ میں لکھنؤ میں فوت ہوئے۔

آتش

خواجہ حیدر علی آپ کا نام تھا۔ اور آتش تخلص۔ آپ کی ولادت فیض آباد میں ہوئی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد آپ لکھنو آئے جہاں آپ نے مصحفی کی شاگردی اختیار کی۔ آپ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ توکل اور قناعت کے ساتھ ساتھ ان کے مزاج میں خودداری بھی انتہا درجہ کی تھی۔ آپ کے بہت سے شاگردوں نے اُردو شاعری میں کمال اور شہرت حاصل کی۔ آپ کے کلام میں روانی ہے۔ اور آپ کی جذبات نگاری کا انداز لطیف اور دلکش ہے آپ اُردو غزل کے مستند اُستادوں میں سے ہیں۔ آپ کا ایک دیوان آپ کی زندگی میں ہی طبع ہوا تھا۔ اور دوسرا دیوان پہلے کے تتمہ کی صورت میں بعد میں شائع ہوا۔ آپ کا سنِ وفات ۱۲۶۳ ہجری ہے۔

مومنؔ

حکیم مومن خاں مومنؔ دہلی میں ۱۲۱۵ھ میں، اطبا کے ایک برگزیدہ خاندان میں پیدا ہوئے۔ طبابت کے علاوہ نجوم و رمل میں بھی مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ رنگین مزاج تھے۔ لیکن عالمِ شباب میں ہی آپ دین و ایمان کی طرف مائل ہوئے۔ اگرچہ آپ نے قصائد، مثنویاں اور رباعیاں بھی لکھیں۔ لیکن میدانِ غزل میں ہی آپ کو اپنی ندرتِ بیان جدتِ ادا، نزاکتِ تخیّل اور معنی آفرینی کی بدولت ایک خاص مقام حاصل ہوا۔ آپ نے کوٹھے سے گر کر ۱۲۶۸ھ ہجری میں وفات پائی۔

ذوقؔ

آپ کا نام شیخ محمد ابراہیم تھا۔ اور ذوقؔ تخلّص تھا۔ آپ کی ولادت دہلی میں ۱۲۰۴ھ میں ہوئی۔ آپ کو تھوڑے ہی وقت میں شعر گوئی میں پختگی حاصل ہو گئی تھی۔ آغاز میں آپ کچھ دیر شاہ نصیرؔ کے شاگرد رہے تھے۔ آپ بہادر شاہ ظفرؔ شاہ دہلی کے اُستاد بنے۔ اکبر شاہ سے آپ کو

خاقانی ہند کا خطاب ملا۔ اور بہادر شاہ ظفر نے آپ کو ملک الشعرا بنایا۔ آپ غزل اور قصیدہ دونوں کے قادر الکلام استاد ہیں۔ غزل میں آپ نے زبان کو پاکیزگی دی ہے۔ زورِ تخیّل اور علوِ بیان آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔

آپ کا کلام آپ کی وفات کے بعد مرتّب کیا گیا۔ آپ نے ۱۲۷۱ھ میں انتقال کیا۔

ظفر

بہادر شاہ ثانی، مغلیہ خاندان کے آخری فرمانروا کی ولادت ۱۷۷۵ عیسوی میں ہوئی۔ ابو ظفر سراج الدین محمد نام تھا۔ اور ظفر کے تخلّص سے لکھتے تھے۔ علم دوست اور ادب نواز تھے۔ اردو شاعری ان کی سرپرستی کی بہت کچھ ممنونِ احسان ہے۔ آپ پہلے شاہ نصیر، پھر ذوقؔ اور ان کے بعد غالبؔ سے اصلاح کلام لیتے رہے۔ آپ کے اشعار میں پُر تاثیر سوز و گداز ہے۔ اور وہ مقبول خاص و عام ہوئے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد حکومت انگریزی نے انہیں قید کر کے برما بھیج دیا۔ جہاں رنگون میں ۱۸۶۲ء میں آپ نے انتقال کیا۔

غالبؔ

مرزا اسد اللہ خان غالب ۱۲۱۲ھ میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خان پہلے اسدؔ کے نام سے لکھتے تھے بعد میں غالبؔ تخلص کیا ذوق کی وفات کے بعد آپ بہادر شاہ ظفر کے اُستاد ہوئے۔ شعر و شاعری کا مادہ فطری تھا۔ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں کے مسلّم الثبوت استاد تھے۔ آپ کو نظم و نثر پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ تنقید نگاروں کی رائے میں اُردو غزل میں آپ اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ آپ کی جذبات نگاری۔ فلسفیانہ رنگ۔ پرواز تخیل اور جدّت ادا اردو میں لاجواب ہیں۔ آپ کی خطوط نویسی میں مکالمہ کی سی چاشنی ملتی ہے۔ دیگر تصانیف کے علاوہ آپ کے خطوط کے مجموعے۔ "اردوئے معلّٰی" اور "عود ہندی" اور اُردو اور فارسی کے دیوان آپ کی یادگار ہیں۔ آپ نے ۱۲۸۸ھ میں وفات پائی

انیسؔ

میر ببر علی نام اور انیسؔ تخلص تھا۔ آپ کی پیدائش فیض آباد

میں ۱۸۰۲ء میں ہوئی۔ آپ میر مستحسن خلیق کے فرزند اور میر حسن کے پوتے تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت لکھنؤ میں ہوئی۔ آپ کو عربی اور فارسی پر عبور حاصل تھا۔ آغاز میں غزل کہتے تھے۔ بعد میں انہوں نے مرثیہ کو اپنایا۔ اور اسے ایک صنفِ شاعری کی صورت میں نہایت بلندیوں تک پہنچا دیا۔ آپ اردو کے عظیم ترین مرثیہ گو مانے جاتے ہیں۔ آپ کے کلام میں روانی اور بے ساختہ پن ہے۔ آپ نے جذباتِ انسانی اور مختلف مناظرِ قدرت کی لطیف اور صحیح تصویر کشی ہے۔ آپ نے لکھنؤ میں ۱۸۷۴ء میں وفات پائی۔

امیر مینائی

آپ کا نام امیر احمد تھا۔ اور امیر تخلص۔ آپ کی ولادت لکھنؤ میں ۱۸۲۶ء میں ہوئی۔ آپ کو ادبیات عربی و فارسی اور علومِ جفر و نجوم میں دستگاہ حاصل کی۔ لکھنؤ سے آپ رام پور گئے۔ جہاں کچھ مدت نواب رام پور کی سرپرستی میں رہے۔ یہاں سے پھر آپ حیدر آباد چلے گئے آپ نے غزل۔ قصیدہ۔ رُباعی اور مسدّس سب کچھ لکھا ہے۔ تخیّل کی نزاکت اور بلندی کے ساتھ آپ کے انداز میں برجستگی ہے آپ

الفاظ کا استعمال مناسب اور برمحل کرتے ہیں

چند مثنویوں، مسدس، اور دیگر کتب کے علاوہ آپ کے دو دیوان مرآۃ الغیب اور صنم خانۂ عشق آپ کی یادگار ہیں۔ آپ نے حیدرآباد میں سنہ ۱۹۱۵ء میں انتقال کیا۔

داغ

نواب مرزا خان نام اور داغ تخلص تھا۔ آپ کی پیدائش سنہ ۱۸۳۱ میں دہلی میں ہوئی۔ آپ کے بچپن ہی میں آپ کے والد نواب شمس الدین خان کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی والدہ نے بہادر شاہ ظفر کے بیٹے مرزا فخرو سے شادی کر لی۔ اُن کے ساتھ داغ بھی قلعہ معلّٰی میں رہنے لگے اور وہیں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ آپ نے ذوق کی شاگردی کی۔ ۵۷ء کے انقلاب کے بعد آپ رامپور اور پھر وہاں سے حیدرآباد تشریف لے گئے، اور آخر حیات تک وہیں رہے۔ یہاں آپ کی بہت قدر و منزلت ہوئی۔ اور آپ کو نظام دکن کی اُستادی کی عزت ملی آپ پرگو شاعر تھے۔ حسن و شباب آپ کے مخصوص موضوع ہیں عشقِ مجازی کی نازک معاملہ بندی میں آپ کی غزلیں لاجواب ہیں

آپ کا شمار اُردو کے غزل گو شعرا کی صفِ اوّل میں ہوتا ہے۔ آپ کی ایک مثنوی اور چار دیوان طبع ہو چکے ہیں۔ آپ کا سنِ وفات ۱۹۰۵ عیسوی ہے۔

سُرور

منشی درگا سہائے سُرور جہان آباد کے رہنے والے تھے ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے آپ کو شعر و سخن کا شوق تھا۔ آپ آزادانہ طبیعت کے مالک تھے۔ اور شاعری ہی آپ کی زندگی کا مقصد رہا۔ عین عالمِ شباب میں راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔ آپ اُردو شاعری میں طرزِ جدید کے رہنماؤں میں سے ہیں۔ آپ کا کلام پُر درد اور پُر اثر ہے اور اس میں قومیت کے جذبات نمایاں ہیں۔ زبان سادہ اور شُستہ ہے۔ آپ نے اُردو شاعری میں ہندی الفاظ کو جگہ دی ہے آپ کے مجموعۂ کلام کی دو جلدیں خمخانۂ سُرور اور جامِ سُرور کے نام سے آپ کی وفات کے بعد شائع ہوئیں۔

آپ نے ۱۹۱۰ء میں اس دارِ فنا سے کوچ کیا

حالیؔ

آپ کا نام خواجہ الطاف حسین تھا۔ حالیؔ تخلّص تھا۔ آپ ۱۸۳۷ء
میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ دورانِ شباب میں ہی آپ دہلی آئے
اور وہاں نواب مصطفےٰ خان کے ہاں اتالیق کے طور پر کام کرنے لگے۔
اُنہیں کی وساطت سے حالیؔ مرزا غالبؔ کے شاگرد ہوئے آپ دہلی میں
اینگلو عربک سکول میں مدرس کے طور پر کام کرتے رہے۔ بعد میں
لاہور میں تعلیم کے محکمہ میں مامور ہوئے۔ حیدرآباد کی ریاست سے آپ
کے لئے وظیفہ مقرر ہوا۔ گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو شمس العلما کا خطاب
دیا گیا۔ آپ اُردو نظم اور نثر دونوں میں ایک اہم مرتبہ رکھتے ہیں۔ آپ نے اُردو میں
نیچرل اور اخلاقی شاعری کا سنگِ بنیاد رکھا۔ آپ کے دیوان کے علاوہ مسدس
مدّوجزرِ اسلام (مسدّس حالیؔ)، یادگارِ غالبؔ، مقدّمۂ شعروشاعری، حیاتِ سعدی
وغیرہ آپکی مشہور تصانیف ہیں۔ آپ ۱۹۱۴ء میں اپنے وطن پانی پت میں فوت ہوئے

اکبرؔ الہ آبادی

آپ کا نام سیّد اکبر حسین تھا۔ اور اکبرؔ تخلّص۔ آپ کا سنِ ولادت

۱۸۴۶ عیسوی تھا۔ وکالت کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ مختلف سرکاری عہدوں پہ کام کرتے رہے اور ترقی کرتے ہوئے عدالت خفیفہ کے جج ہوئے۔ آپ فارسی۔ عربی کے علاوہ انگریزی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ منکسر المزاج تھے۔ اور ظریفانہ طبیعت کے مالک تھے۔ ظرافت کے رنگ میں اخلاقی اور قومی شاعری کو آپ نے ایک خاص انداز بخشا ہے۔ آپ نے مذہب سیاسیات اور سوسائٹی کی خرابیوں کی نکتہ چینی کی ہے۔ روزمرہ کے انداز میں بے تکلفی اور شوخیٔ ادا آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ آپ کے کلام کی دو جلدیں آپ کی زندگی میں ہی شائع ہو گئی تھیں۔ باقی حصۂ کلام آپ کی وفات کے بعد طبع ہوا۔ آپ نے ۱۹۲۱ء میں انتقال کیا۔

چکبست

پنڈت برج نرائن چکبست فیض آباد میں ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ بی۔ اے کے بعد آپ نے قانون کا امتحان پاس کیا۔ اور لکھنؤ میں وکالت شروع کی۔ اس پیشہ میں آپ نے نمایاں کامیابی حاصل کی ۱۲ فروری ۱۹۲۶ء کو آپ ایک مقدمہ کے سلسلے میں بریلی تشریف لے گئے۔ اور سفر میں ہی فالج کا شکار ہو کر آپ نے اس سرائے فانی سے کوچ کیا۔ آپ

ہندوستان کے قادر الکلام قومی شاعر تھے۔ آپ کی زبان پاکیزہ ہے۔ آپ کے اشعار حب الوطنی اور قومیت کے پاک جذبات سے لبریز ہیں۔ آپ کا کلام صبح وطن کے نام سے اُردو میں اور ناگری حروف میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

شاد عظیم آبادی

سیّد علی محمد آپ کا نام تھا۔ اور شادؔ تخلّص۔ آپ عظیم آباد میں سنہ ۱۸۴۷ میں پیدا ہوئے۔ زبان عربی و فارسی کی تحصیل کے علاوہ آپ نے کچھ انگریزی بھی پڑھی۔ آپ کی زندگی شوقِ علم و ذوقِ شعر میں گذری۔ آپ کو مرثیہ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ نے دیگر انواع سخن پر بھی طبع آزمائی کی۔ تاہم اُردو غزل کے اس دور میں آپ کو بہت ممتاز درجہ حاصل ہوا۔ آپ کے کلام میں ہندی اور ایرانی ادب کے امتزاج کا رنگ ہے۔ آپ نثر اور نظم میں مختلف تصانیف کے مالک ہیں۔ آپ کی غزلیات کا ایک مجموعہ آپ کی وفات کے بعد شائع ہوا ہے اور ابھی بہت سی تحریر غیر مطبوعہ ہے۔

آپ کی وفات سنہ ۱۹۲۷ میں ہوئی۔

مہرؔ

سورج نرائن آپ کا نام تھا۔ اور مہرؔ تخلص۔ آپ کی ولادت
دہلی میں ہوئی۔ آپ نے فارسی سنسکرت اور انگریزی میں خاصی دستگاہ
حاصل کی تھی۔ آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں تحصیل علم کرتے رہے۔ بعد
میں آپ نے دہلی اور پنجاب کے محکمۂ تعلیم میں عالی عہدوں پر کام کیا
آپ نے فلسفہ اور بالخصوص ویدانت کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اور
خود ایک سچے ویدانتی تھے۔ آپ کا کلام عشق روحانی میں ڈوبا ہوا ہے
آپ نے اخلاقی اور نیچرل نظمیں لکھی ہیں۔ اور انگریزی سے بھی
کئی نظموں کا ترجمہ کیا ہے۔ آپ کا مجموعۂ نظم کلام مہرؔ کے نام سے
شائع ہوا تھا۔ آپ نے سنہ ۱۹۳۳ء میں انتقال کیا۔

برقؔ

منشی مہاراج بہادر برقؔ کے نام سے لکھتے تھے۔ آپ کی ولادت
دہلی میں سنہ ۱۸۸۴ء میں ہوئی۔ بچپن میں ہی آپ سایۂ پدری سے محروم

ہو گئے تھے۔ آپ دہلی میں ڈاک کے محکمہ میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر مامور رہے۔ آپ کے اشعار میں پُرجوش روانی ہے۔ پاکیزگی زبان اور شوکتِ ادا آپ کے کلام کی خصوصیات میں سے ہیں۔ آپ فروری ۱۹۳۶ء میں پانی پت میں اپنے شاگرد جناب نشگن چند روشن وکیل کے ہاں تشریف لے گئے۔ جہاں حرکتِ قلب بند ہو جانے سے آپ کی موت واقع ہوئی۔

اقبالؔ

شیخ محمد اقبال آپ کا نام تھا۔ اور اقبالؔ تخلص۔ آپ کی ولادت سیالکوٹ میں ۱۸۷۶ء میں ہوئی۔ آپ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔ اے کرنے کے بعد وہاں پروفیسر کے طور پہ کام کرتے رہے بعد میں آپ یورپ گئے۔ انگلستان میں کچھ وقت رہ کر آپ بیرسٹر بنے۔ اور جرمنی سے فلسفہ کی پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لے کر واپس آئے۔ آپ کو شروع سے ہی شعر و سخن کا شوق تھا۔ آپ نے حضرت داغؔ دہلوی سے تلمّذ کیا۔ آپ ایک عالی مرتبہ مفکّر تھے۔ اور اردو فارسی دونوں میں قادر الکلام شاعر۔ پُرشکوہ۔ مگر بے تکلّف زبان

لطیف اور نازک تخیل اور فلسفیانہ انداز آپ کے کلام کی ممتاز
خصوصیات ہیں۔ آپ کے کلام نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی ہے آپ
کی نظموں کا ترجمہ انگریزی اور دیگر زبانوں میں بھی ہو چکا ہے۔ اردو
میں بانگ درا، بال جبریل اور ضرب کلیم، فارسی میں پیام مشرق
زبور عجم، جاوید نامہ اور مثنویاں۔ اسرار خودی اور رموز خودی، آپ
کی تصانیف میں سے ہیں۔ آپ نے سنہ ۱۹۳۸ء میں لاہور میں انتقال کیا۔

فانیؔ بدایونی

آپ کا نام شوکت علی اور فانی تخلص تھا۔ آپ کی ولادت ضلع
بدایوں کے قصبہ اسلام نگر میں سنہ ۱۸۷۹ء میں ہوئی۔ بریلی کالج سے آپ
نے بی۔ اے کیا۔ ازاں بعد آپ نے ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری حاصل کی۔
وکالت کے پیشہ میں آپ کو کامیابی نہ ہوئی۔ آپ حیدرآباد تشریف
لے گئے۔ وہاں آپ نے ملازمت اختیار کی۔ مزید برآں مہاراجہ سر کشن پرشاد کیطرف سے
آپکو ایک معقول وظیفہ ملتا رہا۔ فلسفہ حیات کی باریکیوں کو آپ نے انوکھے
انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ کے دل کی افسردگی آپ کے اشعار میں نمایاں
ہے۔ آپ کی زندگی یاس و حرماں میں گذری میرؔ کی طرح آپکا کلام

بھی بیان درد و غم میں آپ بیتی کا حکم رکھتا ہے۔ آپ کا انتقال حیدرآباد میں ۱۹۲۱ء میں ہوا۔

حسرت موہانی

سید فضل الحسن حسرت ۱۸۷۵ء عیسوی میں ضلع اناؤ کے قصبہ موہان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے علیگڑھ سے بی۔ اے کیا۔ اور وہیں اُردوئے معلٰی کے نام سے ایک ماہنامہ کا اجرا کیا۔ بعد میں یہ رسالہ کانپور سے شائع ہوتا رہا۔ آپ نے وطن کی تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔ اور اس جد وجہد میں قید وبند کی صعوبتیں بھی سہیں آپ ہی کے الفاظ میں مشق سخن بھی جاری رہی اور چکّی کی مشقت بھی۔ آزادی کے بعد آپ پارلیمنٹ کے رُکن چنے گئے۔ آپ کے جذبات میں فطری سادگی ہے زبان کی شستگی اور طرزِ ادا کی شگفتگی نے آپ کے کلام کو ایک دلنواز تاثیر دی ہے۔ آپ نے موجودہ دور میں اُردو غزل کو نئی زندگی عطا کی ہے۔ آپ کا انتقال لکھنؤ میں 1951ء میں ہوا۔

محروم

پروفیسر تلوک چند محروم۔ آپ کی ولادت مغربی پنجاب کی تحصیل

عیسیٰ خیل میں ۱۸۸۷ء میں ہوئی۔ اوائل حیات میں ہی آپ نے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ آپ نے غزلیں۔ رباعیاں وغیرہ بھی لکھی ہیں لیکن نظم میں آپ واحد اور امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ اُردو کے مقتدر تنقید نگاروں نے آپ کی اُستادی کا احترام سے اعتراف کیا ہے۔ آپ کے الفاظ برجستہ ہیں۔ اور جذبات لطیف اور پاکیزہ۔ آپ کے اشعار غم و درد کی تصویر ہیں۔ اور سوز و گداز کا مرقع۔ آپ کے کلام میں تسکین قلب کا پیغام ہے اور عالمگیر صلح کی تلقین۔ آپ عمر بھر تعلیم کے محکمہ میں رہے ہیں۔ اسوقت آپ پنجاب یونیورسٹی کیمپ کالج نئی دہلی میں اُردو کے پروفیسر ہیں۔ آپ کے کلام کے مجموعے "گنج معانی"، "کلام محروم حصہ اوّل، دوم، سوم"، "رباعیات محروم"، اور "مہرشی درشن" شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کا بہت سا کلام ابھی غیر مطبوعہ ہے، جس کی اشاعت سے دُنیائے ادب میں گرانقدر اضافہ کی توقع ہے۔

فراق گورکھپوری

پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق ۱۸۹۶ء میں گورکھپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم شری گورکھ پرشاد عبرت جو کہ

کے وکیل تھے۔ انگریزی ادب میں ایم۔ اے کے امتحان میں فراق تمام امیدواروں میں اوّل رہے۔ آپ آئی سی۔ ایس میں منتخب ہوئے لیکن ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ کو ترک کر کے آپ کانگرس کی قومی تحریک میں شریک ہوئے۔ اور ڈیڑھ برس تک قیدِ فرنگ میں رہے ۱۹۳۰ء سے آپ الٰہ آباد یونیورسٹی میں انگریزی کے پروفیسر ہیں۔ آپ نے متعدد زبانوں کے ادب کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ آپ موجودہ دور کے عظیم مرتبہ شاعر اور نقّاد ہیں آپ نے اُردو شعر کو خالص ہندوستانی رنگ دینے کی قابل قدر کوششیں کی ہیں۔ آپ کے اشعار میں لوچ ہے اور رس۔ آپ کے جذبات موسیقی سے لبریز ہیں۔ آپ نے دلکش اور رواں بحروں کا استعمال کیا ہے۔

نثر و نظم میں آپ کی متعدّد تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ کچھ یہ ہیں: نثر میں حاشئے اور غزلیات کے مجموعے رمز و کنایات شبنمستان اور شعلۂ ساز۔ آپ کی رباعیات کا مجموعہ روپ کے نام سے طبع ہوا ہے۔

فرهنگ

غزلیات

درد

(۱)

دیر۔ بت خانہ۔ مندر۔

تاراج خزاں ہوا۔ پت جھڑ کے ہاتھوں لٹ گیا۔

کثرت موہوم۔ وہ کثرت جس کا وجود فقط وہم میں ہو کثرت وحدت کے برعکس۔ ایک کے مقابل انیک کا خیال۔

خلوت خانہ:۔ تنہا بیٹھنے کا مقام۔

سابقے:۔ گذری باتیں۔ پہلے معاملات۔

(۲)

غنچۂ دل۔ دل کی کلی

دل گرفتہ۔ پژمردہ۔ مرجھایا ہوا

سرو چراغاں۔ سرو کی شکل کا ایک جھاڑ جو محفلوں میں روشن کیا جاتا ہے۔

(۴)

تہمت چند۔ یہ شعر اس طرح بھی لکھا ملتا ہے

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے
کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے

آہ! = اے آہ!

دامن تر۔ (۱) دامن کا گیلا ہونا (۲) گناہ گار ہونا

میر

(۲)

مجبور - جو اپنے فعل پر قادر نہ ہو جو کسی اور کے حکم کے ماتحت کام کرے -
مختار - جو اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے پر قادر ہو -
قشقہ کھینچا - ماتھے پہ تلک لگایا -

(۳)

غیرت یوسف - حضرت یوسف حسن میں بے نظیر تھے - غیرت یوسف
مراد بیش قیمت -

(۴)

سراب - گرمی میں ریت کی وہ چمک جس پر پانی کا دھوکا ہوتا ہے -

(۵)

تصنّع ہے - دکھاوے کی بات ہے
بے ستوں - کوہکن - کوہ بے ستوں یا بیستوں = ایران کا ایک مشہور پہاڑ -
کوہکن = پہاڑ کھودنے والا فرہاد - شیریں کو حاصل کرنے کے لئے فرہاد
نے بے ستون پہاڑ کو کھود کر نہر نکالی تھی -
مجنوں - قیس عامری جسے لیلیٰ سے عشق تھا
دوانے نے = دیوانے نے -

انشا

(۱)

قدح شراب - شراب کا پیالہ - قدح - بڑا پیالہ -
حرم - کعبہ کی چار دیواری - خانۂ کعبہ - مسجد -

عیدِ قرباں ۔ عید الضحیٰ ۔ وہ عید جس پر جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے ۔

(۲)

نکہتِ بادِ بہاری ۔ بہار کی ہوا کی خوشبو ۔

بسانِ نقشِ پائے رہرواں ۔ رستہ چلنے والوں کے پاؤں کے نشان کی مانند ۔

افتادگی ۔ درماندگی ۔ تھکاوٹ ۔

نجیب ۔ شریف ۔

(۳)

چینِ جبیں ۔ پیشانی کا بل ۔ علامت ہے خشم کی ۔

کیں ۔ کینہ ۔ دشمنی

آتش

(۱)

کاکلِ مشکیں ۔ کستوری کی خوشبو والی زلفیں ۔

واشدِ دل ۔ دل کی شگفتگی ، فرحت کے لئے ۔

حضرت موسےٰ ۔ کوہ طور پر خدا نے حضرت موسےٰ کو اپنا جلوہ دکھایا تھا ۔

(۲)

سنا ہے جا ہے قریب رگِ گلو تیری ۔ اشارہ ہے قرآن کریم کی آیت کی طرف جس کا ترجمہ یوں ہے :۔

اور ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں

شبِ فراق ۔ جدائی کی رات ۔

یوسف ۔ حضرت یعقوب کے فرزند حضرت یوسف جو حسن میں اپنا

بینائی نہ رکھتے تھے۔ یہاں مراد محبوب۔

پیراہنِ یوسف۔ حضرت یوسف کی جدائی میں حضرت یعقوب آنکھوں سے محروم ہو گئے تھے۔ ان کے کرتے کی خوشبو سے پھر انہیں بینائی حاصل ہوئی۔

سیف زباں۔ تلوار جیسی زبان رکھنے والا۔

(۳)

سکندر و دارا۔ فیلقوس کا بیٹا۔ یونان کا مشہور فاتح سکندر جس نے ایران کے بادشاہ دارا (دارا یوش سوم) کو شکست دی تھی۔

مسیحا۔ مسیح یا مسیحا۔ حضرت عیسیٰ کا لقب ہے۔ آپ اپنے معجزے کی طاقت سے مریضوں کو شفا بخشتے تھے اور مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔

(۴)

بے تابانہ۔ بے قرار ہو کر۔ تعبیر۔ تفسیر خواب کی تاویل۔

مومن

(۲)

کوچۂ جاناں۔ محبوب کی گلی۔

پرسشِ سببِ اجتناب۔ لاپرواہی کا باعث پوچھنا۔

شبِ ماہتاب۔ چاندنی رات۔ پیہم۔ لگاتار۔

سجود۔ سجدہ۔ پائے صنم پر۔ محبوب کے قدموں پر۔

دمِ وداع۔ رخصت کے وقت

(۴)

عیادت۔ بیمار پرسی

باغِ خلد۔ بہشت کا باغ

ذوق

(۱)

نفس امّارہ = خواہشوں کا حکم کرنے والا نفس۔ لذّات دنیاوی کی خواہش۔

نہنگ = مگرمچھ

اکسیر = کیمیا۔ پارس، جو دھات کو سونے چاندی میں تبدیل کردے

قلقلِ مینا = مینا۔ صراحی، شراب کی بوتل۔ قلقل = صراحی سے پانی یا شراب نکلنے کی آواز۔

شیطان = شیطان نے خدا کی حکم عدولی کی اور آدم کو سجدہ نہ کیا اس باعث معتوب ہوا۔

(۲)

مسیح و خضر = انہیں ہمیشہ کی زندگی حاصل ہے۔

وضو = اسلام کے قاعدہ کے مطابق نماز کے لیے جسم کے خاص خاص مقامات کو دھونا۔

قیامت = محشر۔

یوسفِ کنعاں = کنعاں کے رہنے والے حضرت یوسف جنہیں لے جا کر مصر میں بیچا گیا تھا۔

تیمم = پانی کی جگہ مٹی سے وضو کرنا۔

ظفر

(۱)

شانہ = کنگھی

ساقی = شراب پلانے والا

معمورۂ دنیا = دنیا کی آبادی

زردباں = سیڑھی   شمع ساں = شمع کی مانند

خودی = پندار (ہندی، اہنکار)

غالب

(۱)

آستانِ یار = دوست کی دہلیز۔

(۲)

مشتاق = ملنے کا خواہشمند

(۴)

ہنگامِ کمال = کمال کے وقت۔ پورنماشی چودھویں رات میں چاند پوری طرح روشن ہوتا ہے۔

ساغرِ جم = جمشید کا پیالہ۔ جامِ جہاں نما؛ جس میں تمام دنیا کے حالات نظر آتے تھے۔

جامِ سفالی = مٹی کا پیالہ + سفال = ٹھیکری۔

فرہاد = شیریں کا عاشق جس نے اسے حاصل کرنے کیلئے بیستوں پہاڑ کو کھود کر نہر نکالی تھی۔

امیر مینائی

(۱)

استخواں = ہڈی۔

ہما = ایک مشہور فرضی پرندہ۔ کہتے ہیں کہ یہ صرف ہڈیاں کھاتا ہے جس کے سر پر اس کا سایہ پڑ جائے۔ وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔

داغ

(۱)

افتخار = فخر، غرور۔

(۲)

جبہ سائی = ماتھا گھسنا

خضر اور عمر دراز = حضرت خضر جو ہمیشہ کیلئے زندہ ہیں۔

(۳)

آب حیواں = آبِ حیات۔ جسے پینے سے ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔

نارِ نمرود = نمرود ایک سرکش بادشاہ تھا۔ جس نے خدائی کا دعوےٰ کیا تھا۔ اسے راہِ راست پر لانے کے لئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کوشش کی۔ نمرود نے انہیں آگ میں ڈال دیا۔ خدا کے حکم سے وہ آگ گلزار میں تبدیل ہو گئی۔

خضر = ایک پیغمبر کا نام جو دریا و صحرا میں رہنمائی کرتے ہیں۔

ہادی = رہنما، ہدایت کرنے والا

الیاس = ایک پیغمبر جو خشکی میں گمراہوں کو راستہ دکھاتے ہیں۔

حالی

(۱)

کیمیا = رانگ کو چاندی یا تانبے کو سونا بنانے کا عمل، اکسیر۔

نفس کی تسخیر = اپنے آپ پر فتح پانا ۔ من کو جیتنا۔

ظلِ بالِ ہما = ہما کے پروں کا سایہ۔ ہما کے بارے میں مشہور ہے کہ جس آدمی کے سر پر اُس کا سایہ پڑ جائے۔ وہ بادشاہ بن جاتا ہے

اکبر الہ آبادی

(۱)

مہرِ سلیمان - حضرت سلیمان کی انگوٹھی جس کی بدولت انسانوں کے علاوہ جن - پریاں اور دیو بھی اُن کے ماتحت رہتے تھے۔

جامِ جم - جمشید کا پیالہ - جس میں دنیا کے حالات دکھائی دیتے تھے

عجم :- ایران

(۲)

معرفت - خدا کی پہچان عقبیٰ - اگلی دنیا ناخدا - ملاح

چکبست

(۲)

دردِ دل = چکبست نے یہ غزل ۱۹۱۱ء میں تحریر کی تھی۔

(۲)

شاخِ بریدہ - کٹی ہوئی ٹہنی

(۳)

مٹنے والوں = یہ غزل سن ۱۹۱۷ عیسوی میں لکھی گئی تھی۔

شاد عظیم آبادی

(۲)

صاحبِ جمال - حسن رکھنے والے حسین۔

آشفتہ حال - پریشان حال غمزدہ + اوراقِ گل - پھول کی پتیاں۔

شاہِ خوباں - حسینوں کا بادشاہ - حسن میں بے نظیر۔

سیماب

(۱)

سیماب - پارہ پندار - خودی (ہندی - اہنکار)

روزِ حساب - محشر کا دن جب کہ اسلام کے عقیدہ کے مطابق سب انسانوں کو ان کے اعمال کی سزا اور جزا دی جائیگی۔

بندِ علائق ۔ دنیاوی تعلقات کی زنجیر۔ دنیا کی محبت کا بندھن ۔

(۲)

نقشِ کفِ پا ۔ پاؤں کے تلوے کے نشان ۔ نشانِ قدم ۔

اقبال

(۱)

صدف نشینی ۔ صدف بمعنی سیپ ۔ پانی کا قطرہ سیپ میں بند پڑا رہتا ہے ۔ اور کچھ مدت کے بعد موتی بن جاتا ہے ۔

عکسِ سروِ کنارِ جو کا ۔ نہر کے کنارے اُگے ہوئے سرو کا سایہ ۔

ریاض (جمع روضہ کی) باغ ۔ گلستاں ۔

فریب خوردہ ۔ جو دھوکے میں آچکا ہو ۔

تقلید ۔ بغیر حقیقت کو جانے کسی کی پیروی کرنا ۔

مجاز ۔ برعکس حقیقت کے ۔

محزون ۔ غمگین ۔ اُداس ۔

فانی بدایونی

(۱)

غمِ جاوداں ۔ ہمیشہ کا غم ۔

فی الجملہ ۔ حاصل کلام ۔ مختصر الفاظ میں ۔

ماحصل ۔ انجام نتیجہ ۔ دیارِ عمر ۔ زندگی کی آبادی ۔

(۲)

معمہ ۔ پہیلی

کونین ۔ دونو جہان ۔ یہ دُنیا اور اگلی دُنیا ۔

حسرت موہانی (۲)

خرد = عقل　　　جنوں = دیوانگی

شاملِ اربابِ امتیاز کرنا = چنے ہوئے لوگوں میں شمار کرنا۔

(۳)

کرمِ جور نما = وہ نوازش جو بظاہر ستم دکھائی دیتی ہو

روزِ ازل = دنیا کی آفرینش کا دن۔

فراق گورکھپوری

چشمِ خونناب بار = خالص لہو برسانے والی آنکھ۔

شعاعِ صبحِ حیات = زندگی کی سحر کو روشن کرنے والی کرن۔

مطلع = مقام طلوع　　　نشوونما = بالیدگی۔ اُگنا۔ پھلنا۔ پھولنا۔

صبحِ ازل = آغازِ عالم کی سحر۔

منظومات

درد

شبنم

خانۂ ماتم = سوگ کا گھر　　　صاف طبع = جو دل کے پاک ہیں۔

سرور

پدمنی

پدمنی = چیتوڑ کے راجہ بھیم سنگھ کی رانی۔ ذوقِ فنا = مٹ جانے کا شوق

کالبدِ نور = کالبد = جسم۔ نور = روشنی = روشنی کا مجسمہ۔

یدِ قدرت = قدرت کا ہاتھ۔　　　خالِ سویدا = دل کا سیاہ داغ۔

اکبر الٰہ آبادی

فرزندِ نیک

مکر و زور = دھوکہ اور فریب۔ معین = مددگار۔

چکبست

رامائن کا ایک سین

قفلِ دہن کھلا = زبان پر لگا ہوا تالا کھلا۔

افسانۂ شدائد رنج و محن = بھاری مصیبت اور غم کی کہانی۔

مظالمِ چرخِ کہن = پرانے آسمان کے ستم، زمانے کے ظلم۔

ریاضتوں سے = مشکلوں میں، تکالیف میں۔

تقصیر بحل کرے = خطا معاف کر دے۔ انتشار = پریشانی، دکھ۔

کشتۂ نیرنگِ روزگار = فریب زمانہ کے مارے ہوئے۔ دُنیا کی چال کا شکار۔

مفر = رہائی۔ چھٹکارا۔ ریاض کرتے ہیں = محنت کرتے ہیں۔

موجِ سموم = زہریلی ہوا کا جھونکا۔

برق

احتسابِ زندگی

توشہ = زادِ راہ = سفر کا سامان۔

خضر = حضرت خضر بھولے بھٹکوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔

عقدہ کشائی = گانٹھ کھولنا، مشکل حل کرنا۔

عسرت و عشرت = تنگدستی اور خوشحالی۔ اختر شماری = تارے گننا۔

ہے رہین پنجہ دستِ اجل = موت کے ہاتھوں گروی۔ قضا کے پنجے میں جکڑی ہوئی۔

اقبال

نیا شوالہ

صنم کدہ = بُت خانہ   غیریت = دشمنی، بیگانہ پن، بیر۔

خوشی محمد ناظر

جوگی

وادیٔ ایمن کوہِ طور = وادیٔ ایمن میں کوہِ طور پر خُدا نے حضرت موسےٰ کو اپنا جلوہ دکھایا تھا۔

محروم

نورجہاں کا مزار

طُور = وہ پہاڑ جہاں حضرت موسےٰ کو خدا کا جلوہ نظر آیا۔ تعویذ لحد = سنگ مزار، قبر کا پتھر

ترانۂ بیداری

صلی علی = کلمۂ تحسین - (درود کا اختصار) -

مثنوی

میر حسن دہلوی -

مثنوی سحر البیان

شہادت کی انگلی = انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی -

دوگانہ = دو رکعت کی نماز - نماز شکرانہ -

زیرِ زنخداں = ٹھوڑی کے نیچے -

یوسف = حضرت یوسف - یہاں مراد فرزند -

قصائد

قصیدۂ محسن کاکوروی:

مکمل قصیدہ خیر المرسلین حضرت محمدؐ پیغمبر اسلام کی مدح میں لکھا ہوا ہے -

قصیدۂ غالب:

نخل رطب فشاں = نخل کھجور کا درخت - رطب، تر و تازہ کھجور - کھجوریں برسانے والا درخت -

گوئے و چوگاں = گیند اور بلّا -

تاک = انگور کی بیل - انگور -

بادۂ ناب = خالص شراب -

فرطِ رافت = از حد کرم -

ربّ النّاس = لوگوں کا مالک - خدا -

نازشِ دودمانِ آب وہوا = آب و ہوا کے خاندان کا فخر -

توشہ = زادِ راہ - سامانِ سفر -

طُوبیٰ = بہشت کا درخت -

سدرہ = ساتویں آسمان پر بیری کا ایک درخت -

نازپروردہٗ بہار = جسے بہار نے بہت لاڈ سے پالا ہو -

مراثی

اُنیس

گلشنِ ارم = بہشت کا باغ - ارم - وہ بہشت جو شدّاد نے زمین پر بنائی تھی -

اقلیمِ سخن = شاعری کی ولایت -

غوّاص = ڈبکی لگانے والا - غوطہ خور -

لآلی = جمع لؤلؤ کی - موتی -

نظمِ ثریا = ثریّا کی لڑی - ثریّا - آسمان پر سات ستاروں کا جُھمکا -

سمٰوات سے (سمٰوات - جمع سما کی) آسمانوں سے

سمک = زمین کے نیچے کی مچھلی -

کوثر = بہشت کی ایک نہر کا نام -

غالب

مرثیہ عارف -

(غالب کی بیوی کے بھانجے عارفؔ انہیں بہت عزیز تھے جوانی میں ہی اُنکا انتقال ہو گیا تھا -)

ماہِ شب چہاردہم = چودہویں کا چاند۔
داد و ستد = لین دین۔
ملک الموت = موت کا فرشتہ۔

قطعات

غالبؔ

روکشِ سطحِ چرخِ مینائی = نیلگوں آسمان کی سطح کو رشک دلانے والی۔
بادپیمائی = ہوا خوری کرنا۔ اور محاورے میں کوئی فضول کام کرنا۔

رباعیات

دردؔ

توحید = وحدتِ حق۔ خدا کی ایکتا۔
پرکھنا = جانچ۔

انیسؔ

معدن = کان
فروتنی = عاجزی

حالی

مورچہ = چھوٹی چیونٹی۔
پیغام ٹکا = آہ وزاری کا پیغام۔

اکبر الہ آبادی

دُنیائے دَنی = کمینہ دنیا۔
مُخلِ اوقات = وقت کو بگاڑنے والا۔ زندگی میں خلل ڈالنے والا۔

مہر

حلول کرتی ہے = دوسرے جسم میں داخل ہوتی ہے۔